قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

# بینات


جلد: ۷۵ شمارہ: ۴

ربیع الثانی: ۱۴۳۳ھ - مارچ: ۲۰۱۲ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زرسالانہ: ۳۰۰ روپے



مدیر/مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

مجلس ادارت

مولانا محمد اعجاز مصطفی (مدیر معاون)

مولانا عطاء الرحمن صاحب (ناظم تعلیمات)

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی



خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر ۳۴۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: ۳۴۹۲۷۲۳۳

فون جامعہ: ۳۴۹۱۳۵۷۰_۳۴۱۲۱۱۵۲_۳۴۱۲۳۳۶۶

ایکسٹینشن: ۱۲۶_۱۲۷

فیکس: ۹۲-۲۱-۴۹۱۹۵۳۱



بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ،

ناروے ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۵/امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان،

ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۷/امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: ۲۵/امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر   مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی   طابع: فیروز ذکی

www.banuri.edu.pk

# فہرست مضامین

## بصائر وعبر


رہنمایانِ قوم کے ہاتھوں
اسلامی تہذیب واقدار کی پامالی ۳ محمد اعجاز مصطفیٰ


## مقالات ومضامین


بنیاد پرستی کا مصداق! مغرب کی نظر میں ۱۳ حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم

آپ خود حساب کرلو! ۲۳ پروفیسر محمد حمزہ نعیم، جھنگ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی زندگی ۲۶ سینیٹر مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو

سرسید کی تفسیر کا علمی جائزہ ۳۸ مفتی سمیع الرحمن، جامعہ فاروقیہ

''اسلام زندہ باد'' کانفرنس...... ۴۸ محمد اعجاز مصطفیٰ

امت مسلمہ کو آج باطنی اصلاح کی ضرورت ہے ۵۶ جناب سید شوکت علی


## دار الافتاء


طویل دورانیہ کی رات اور دن میں
نماز وروزہ کی ادائیگی کا طریقہ ۵۹ مولوی حماد اللہ، ہالانوی

## رہنمایانِ قوم کے ہاتھوں

# اسلامی تہذیب واقدار کی پامالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

عام معاشرے میں دینی ماحول کا فقدان، اسکولوں اور کالجوں میں دینی تربیت سے بے اعتنائی، مخلوط تعلیم کی وبا، لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط، زیب وزینت کر کے تفریح گاہوں کی سیر، ٹی وی اور نیٹ کے روح فرسا مناظر کارات دن مشغلہ، قدم قدم پر عریاں مناظر اور حیاسوز مظاہر، یہ سب جدید تہذیب کی برکات اور مخلوط تعلیم کے ثمرات ہیں۔

جدید تہذیب کی انہیں ''برکات'' اور مخلوط تعلیم کے انہیں ''ثمرات'' سے فیض یاب ہوکر راہنمایانِ قوم وطن عزیز میں اسلامی اقدار کو کس طرح مٹا رہے ہیں؟ اور اسلامی شعائر کی حرمت وناموس کو کس طرح پامال کرر ہے ہیں؟ اس کا اندازہ اس خبر سے کیا جا سکتا ہے کہ لاہور میں ایک پرائیویٹ کالج کے میوزیکل کنسرٹ میں پاکستان کے مستقبل کے معماران کی ایک مخلوط ثقافتی تقریب منعقد ہوئی اور تقریب میں بھگدڑ کے نتیجے میں تین طالبات زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھیں اور کئی طالبات زخمی ہوگئیں۔

جدید نسل کی اس بے حیائی پر مشتمل واقعہ میں جو بے ہودگی ہوئی، جس طرح طالبات کی بے حرمتی کی گئی اور اس کے نتیجہ میں طالبات کی ہلاکتیں ہوئیں، اس نے سلیم الفطرت اور باحیا مسلمانوں کے سرشرم سے جھکا دیئے، اس لئے کہ کہنے کو ہم مسلمان ہیں، لیکن ہمارے یہ اعمال اور ہمارا یہ کردار کافروں اور دھریوں سے بھی بدتر ہے۔

اسلام عفت، حیا اور پاکدامنی کا درس دیتا ہے۔ اسلام بے غیرتی اور بے حیائی کو ناپسند کرتا ہے، اسی بنا پر اسلام مرد و زن کے اختلاط کو ہر سطح اور ہر موقع پر سختی سے منع کرتا ہے، چاہے وہ گھر ہو یا بازار، چاہے اسکول، کالج، یونیورسٹی ہو یا کوئی دینی یا دنیوی اجتماع۔

یہ کیسے مسلمان ہیں جو اپنی سادہ لوح مسلمان بہنوں، بیٹیوں اور اولادوں کو ناچ گانے اور ڈانس پارٹیوں میں ناچنے اور تھرکنے پر مجبور کرتے ہیں؟ اور انہیں ان مجالس اور پارٹیوں کے لئے دعوت گناہ دیتے ہیں؟۔ اسی کا شاخسانہ ہے کہ ایک تعلیمی ادارہ کے تین طلبا اور تین طالبات اپنے اسکول سے بھاگ کر پشاور کے ایک ہوٹل میں کئی دن گزار کر عدالت کے ذریعہ اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ کیا کہا جائے کہ ان طلبا و طالبات نے یہ ''راہ'' اور یہ ''کردار'' کہاں سے سیکھا؟۔

اس بے حیائی پر کڑھتے ہوئے پنجاب اسمبلی میں ایک معزز رکن اسمبلی محترمہ سیمل کامران صاحبہ نے تعلیمی اداروں میں ایسی فحش، نازیبا اور حیا سوز تقریبات منعقد کرنے پر پابندی عائد کرنے کے لئے درج ذیل قرارداد پیش کی:

> ''لاہور (ثنانیوز/امت نیوز) پنجاب اسمبلی نے سرکاری وغیرسرکاری تعلیمی اداروں میں میوزیکل کنسرٹ پر فی الفور پابندی عائد کرنے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کرلی، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ پنجاب کے تمام سرکاری وغیرسرکاری تعلیمی اداروں میں قابل اعتراض میوزیکل کنسرٹس پر پابندی عائد کی جائے۔ مسلم لیگ (ق) کی رکن سیمل کامران نے قرارداد پیش کی کہ ایوان کی رائے ہے کہ صوبہ بھر کے تمام سرکاری وغیرسرکاری میوزیکل کنسرٹس پر فی الفور پابندی لگائی جائے۔ واضح رہے کہ گزشتہ دنوں ایک نجی تعلیمی ادارے کے میوزیکل شو میں بھگدڑ مچ جانے کے باعث تین طالبات ہلاک ہوگئی تھیں۔ صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ خان نے قرارداد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ نجی تعلیمی ادارے کے میوزیکل شو میں بھگدڑ مچ جانے سے تین طالبات کی ہلاکت کی میڈیا نے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ اس کے بعد قرارداد متفقہ طور پر منظور کرلی گئی، تاہم قرارداد کی منظوری کے بعد ایک مخصوص ٹی وی چینل نے اس کے خلاف فوری طور پر مہم شروع کردی اور ناچ گانے کے پروگراموں کو تعلیمی اداروں میں تفریح کے لئے ضروری قرار دے دیا۔ ٹی وی کی اس مہم کے بعد پنجاب حکومت نے بھی اسمبلی میں متفقہ طور پر منظور قرارداد سے لاتعلقی ظاہر کردی، حالانکہ (ن) لیگ کے تمام ارکان بشمول صوبائی وزیر

قانون نے اسمبلی میں اس کی حمایت کی تھی اور عوامی سطح پر بھی اسے سراہا گیا تھا، کیوں کہ تعلیمی اداروں میں میوزیکل شوز کے بڑھتے ہوئے رجحان سے طلبا و طالبات کے اخلاق پر برے اثرات مرتب ہورہے ہیں اور راولپنڈی میں میٹرک کی تین طالبات اور تین طلباء کے بھاگ کر پشاور جانے کا واقعہ بھی پیش آچکا ہے، تاہم ایک مخصوص ٹی وی کی مہم سے متاثر پنجاب حکومت کے ترجمان نے اسمبلی قرارداد سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت صوبے میں ہر قسم کی ثقافتی سرگرمیوں کی حمایت کرے گی''۔

(روزنامہ امت، کراچی، یکم ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۵ رجنوری ۲۰۱۲ء)

اسکولوں اور کالجوں میں میوزیکل پروگرام پر پابندی سے متعلق پنجاب اسمبلی میں منظور کی جانے والی اس قرارداد کا جہاں علمائے کرام نے خیر مقدم کیا، وہاں ان اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلبا و طالبات کے والدین نے بھی اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس قرارداد کی محرکہ محترمہ سیمل کامران صاحبہ جن کا تعلق اقلیتوں سے ہے، وہ تو یہ کہتی ہیں کہ ناچ گانا کوئی فن وثقافت نہیں، اور اس قرارداد پر مجھے فخر ہے، لیکن ماشاء اللہ! ''مسلم'' لیگ (ن) اور پی پی کے ''مسلمان'' اراکین اسمبلی اس قرارداد کے منظور ہونے پر ''شرمندہ'' اور اس ''ملامت'' کو اپنے سر سے اتارنے کے لئے سرگرداں اور پریشان نظر آتے ہیں۔

لیجئے! میوزیکل کنسرٹ پر پابندی کی اس قرارداد کو منظور ہوئے ابھی دو دن نہ گزرنے پائے تھے کہ پنجاب اسمبلی میں (ن) لیگ اور پی پی ارکان نے یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ تعلیمی اداروں میں ثقافتی سرگرمیوں کی اجازت ہونی چاہئے اور اسمبلی میں منظور کردہ قرارداد کے برعکس دوسری قرارداد لائی گئی کہ:

''لاہور (ایجنسیاں) پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں حکومتی اور اپوزیشن اراکین نے سرکاری وغیرسرکاری تعلیمی اداروں میں قابل اعتراض میوزیکل کنسرٹ پر پابندی کی قرارداد پر یوٹرن لے لیا ہے۔ دو روز پہلے متفقہ طور پر منظور کردہ اپنی ہی قرارداد کے خلاف قرارداد منظور کرلی، جس میں سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں غیر نصابی سرگرمیوں، ثقافتی، ملی اور ادبی پروگراموں پر کسی بھی قسم کی پابندی نہ ہونے کی بات کی گئی ہے۔ قرارداد کثرت رائے سے منظور کی گئی۔ (ن) لیگ کے رکن مولانا الیاس احمد چنیوٹی اور عبدالوحید چوہدری نے قرارداد پر تنقید کی، جب کہ شیخ علاء الدین اپنی قرارداد ایجنڈے پر نہ آنے

پر ایوان سے واک آؤٹ کر گئے۔ ان کی اسپیکر سے تلخ کلامی بھی ہوئی۔ جمعرات کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں قائد حزب اختلاف راجہ ریاض احمد نے قرارداد پیش کی، جس میں کہا گیا ہے کہ اس ایوان کی رائے ہے کہ سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی اداروں میں غیر نصابی سرگرمیوں، ثقافتی، ملی اور ادبی پروگراموں پر کسی بھی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔ جس پر (ن) لیگ کے رکن اسمبلی الیاس احمد چنیوٹی نے کہا کہ ثقافتی پروگراموں کی آڑ میں کسی کو بے حیائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور قرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ گانا گانے والا اور گانا سننے والا دونوں جہنمی ہوں گے۔ قرارداد کی منظوری سے پہلے یہ بتایا جائے کہ قرارداد میں جس ثقافت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ کون سی ثقافت ہے؟۔ عبدالوحید چوہدری نے کہا کہ خدارا ثقافت کے نام پر اسلام کی توہین اور بے حیائی کی اجازت نہ دی جائے۔ مولانا الیاس چنیوٹی صوبائی وزیر قانون کے پاس بھی گئے اور ان سے اس حوالے سے کوئی بات کی، جس کے بعد وہ ایوان سے باہر چلے گئے اور رانا ثناء اللہ خان نے اسپیکر سے کہا کہ قرارداد انتہائی موزوں الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ اس پر رائے مانگی جائے۔ ایوان میں موجود صرف ایک رکن وحید چوہدری نے قرارداد کی مخالفت کی، جب کہ دیگر تمام ارکان اسمبلی نے قرارداد کے حق میں رائے دی''۔

(روزنامہ امت، کراچی، ۳ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۷ر جنوری ۲۰۱۲ء)

شاید ان اراکین اسمبلی کو یہ خدشہ اور ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ''صاحب بہادر'' ہمیں بنیاد پرست، دقیانوس اور پنجابی طالبان کی فہرست میں شامل کر کے راندہ درگاہ نہ کر دے، اس لئے اپنی روشن خیالی کا ثبوت دیتے ہوئے ان اراکین اسمبلی نے پہلی قرارداد کے برعکس دوسری قرارداد منظور کی۔

ایک غیر جانبدار آدمی پنجاب اسمبلی کے اس عمل سے کیا یہ نتیجہ اخذ نہیں کرے گا کہ صوبہ پنجاب پاکستان کا ایسا صوبہ ہے جس نے ناچ، گانا، فحاشی، عریانی اور رقص وسرود کو نہ صرف یہ کہ سند جواز عطا کی ہے؟ بلکہ اس عمل میں چاہے اموات بھی ہو جائیں، وہ بھی انہیں قابل تحمل اور قابل برداشت ہیں؟ اور اگر ان بے حیائی کے پروگراموں اور بے شرمی کے مناظر کے نتیجے میں مسلم طلبا و طالبات بے راہ روی اور بے غیرتی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کی عقل اور فہم رسا کو قابل قبول ہیں؟ نعوذباللہ من ذلک۔ روزنامہ نوائے وقت کے مدیر نے بجا طور پر اپنے اداریہ میں یہ

بات لکھی ہے کہ:

''راجہ ریاض نے مستقبل کی قیادت کو ''کنجروں'' کے رنگ میں رنگنے کا بل منظور کروا کر نہ جانے کس کی خدمت کی ہے؟ اور حکومتی ارکان وحید چوہدری اور مولانا الیاس چنیوٹی نے ثقافتی بل کی مخالفت کر کے لاکھوں شہداء کی قربانیوں کی لاج رکھی ہے، کیونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بناتے وقت ہمارے اکابرین نے ہندوانہ ثقافت کو دریا برد کر کے اسلام کا بول بالا کیا تھا، ہماری موجودہ اسمبلی کو گاندھی کے اصولوں کی پیروی کو ترک کر کے قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے خوابوں کے مطابق پاکستان کو چلانا چاہئے''۔

(روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ۴ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۸ جنوری ۲۰۱۲ء)

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ ''ثقافت'' کے معنی ومفہوم پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اسلامی لغت ''ثقافت'' کے لفظ سے نا آشنا ہے۔ قرآن کریم، حدیث نبوی اور دیگر اسلامی ذخائر میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل قرار دیا، مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں ''ثقافت'' کی تعلیم کے لئے آیا ہوں۔

دراصل انگریزی میں کلچر کا لفظ تہذیب وتمدن اور اسلوب زندگی کے معنی میں رائج تھا۔ ہمارے عرب ادبا نے اس کا ترجمہ ''ثقافت'' سے کر ڈالا اور جب سے یہ لفظ مسلمانوں میں کثرت سے استعمال ہونے لگا، مگر یہ مہمل لفظ آج تک شرمندۂ مفہوم ومعنی نہیں ہوا۔ ہر شخص نے اپنے ذوق کے مطابق اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی اور آج کل عموماً اسے رقص وسرود، ناچ رنگ اور فحاشی اور عیاشی کے مناظر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، خیر کچھ بھی ہو، کہنے کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں ان علاقائی ثقافتوں کی ترویج ونمائش اور حوصلہ افزائی کا کیا مقصد ہے؟ ''سندھی ثقافت'' آخر کیا بلا ہے؟ اس سے مراد محمد بن قاسمؒ کی ثقافت ہے یا راجہ داہر کی؟ ''پنجابی ثقافت'' کیا چیز ہے؟ کیا راجہ رنجیت سنگھ کی ثقافت کا احیاء مقصود ہے؟

''سندھی'' ایک مسلمان بھی ہوسکتا ہے اور کافر بھی، ''پنجابی'' ایک مومن بھی ہوسکتا ہے اور ایک سکھ بھی، ''بلوچی'' بھی ایک مسلم بھی ہوسکتا ہے اور ایک

یہودی بھی۔ جب آپ سندھی، پنجابی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کریں گے تو وہ ایک مسلم وکافر کی مشترکہ میراث ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان کے اس میں کیا دلچسپی ہے؟ کیا پاکستان انہی چیزوں کو نمایاں کرنے کے لئے بنایا گیا، جن میں دنیا بھر کے کافروں کی تسلی کا سامان تو ہو، مگر اسلام اور مسلمانوں کو ان سے کوئی واسطہ نہ ہو؟۔

اگر یہ ایک اسلامی ملک ہے اور یہاں کے شہری مسلمان ہیں تو ان سب کے لئے ایک ہی ثقافت ہوسکتی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ۔ عقل وایمان کا یہ کیسا المیہ ہے کہ اسلام، اسلامی تعلیمات اور اسوۂ نبوی کی کسی کو فکر نہیں، مسلمانوں کے اخلاق ومعاشرت کی اصلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں اور زندہ کیا جارہا ہے تو ان تہذیبوں کو؟ اس کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ اس مفلس ملک اور بے بس قوم کا صرف کیا جارہا ہے۔ اور یہ بات بھی شاید ہمارے اربابِ حل وعقد کے سوا کسی کی عقل میں نہیں آئے گی کہ ایک طرف تو زبانی جمع خرچ کے طور پر چاروں صوبوں کے درمیان اتفاق واتحاد کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔ علاقائی عصبیت پھیلانے والوں کو ملک وملت اور قوم ووطن کے غدار کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، اور دوسری طرف ہزاروں روپیہ خرچ کرکے علاقائی ثقافتوں کو ابھار کر علاقائی عصبیت کی چنگاری کو ہوادی جاتی ہے، ان سندھی، پنجابی، پٹھانی، بلوچی ثقافتوں کو جب اچھالا جائے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ لوگوں میں سندھیت اور پنجابیت، پشتونیت اور بلوچیت کا احساس ابھرے گا، صوبوں کے درمیان منافست اور منافرت بیدار ہوگی اور علاقائی عصبیت کا بھوت عریاں رقص کرنے لگے گا۔ ایک وطن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک مقصد کا احساس اگر کسی کے گوشۂ قلب میں موجود ہو تو وہ بھی دب کررہ جائے گا، کہیں یہ ثقافتی میلے، یہ علاقائی ناچ رنگ کی نمائش، ملک کے مزید حصے بخرے کرنے کی سازش تو نہیں؟ کیا یہ مسلمانوں میں مزید جنگ وجدال برپا کرنے کی تمہید تو نہیں؟۔

ان علاقائی ثقافتی میلوں کا ایک اور دردناک پہلو بھی نہایت اہم ہے، اس وقت پورا ملک ہوشربا گرانی اور قلتِ رسد کی لپیٹ میں ہے، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں قحط کے سے آثار نمودار ہورہے ہیں، لوگوں کی ستر

پوشی کے لئے کپڑا اور جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے کے قوت لا یموت کا حصول بھی مشکل ہورہا ہے، خشک سالی نے آئندہ فصل کے لئے بھی بیم وخوف کی شکل پیدا کردی ہے، بجلی اور پانی کی قلت سے زمین بنجر اور کھڑی فصلیں خشک ہورہی ہیں، حالات کے دباؤ نے لوگوں میں اندیشہ ہائے دور دراز پیدا کردیئے ہیں، ہر شخص فکرمند نظر آتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں رحم وانصاف کی کوئی رمق ہوتو اسے سوچنا چاہئے کہ ان سنگین حالات میں یہ ملک ان ثقافتی عیاشیوں کا متحمل ہے؟ ان حالات میں توبہ و استغفار اور انابت الی اللہ کی ضرورت ہے یا ان مختلف علاقوں کے ناچ رنگ کے ڈراموں کی؟''۔ (بصائر وعبر، ج:۲،ص:۳۹۷ تا ۳۹۹)

روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار جناب غلام اکبر صاحب نے اپنے کالم ''حملہ ہو چکا ہے'' میں اپنے زمانۂ تعلیمی میں پیش آمدہ اپنے استاذ کا ایک نصیحت آموز واقعہ تحریر کرنے سمیت جو کچھ لکھا ہے، وہ دینی طبقہ کے دل کی آواز ہے۔ قارئین بینات کے افادہ کے لئے اُسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''یہ ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔ میں انگریزی ادب میں آنرز کررہا تھا۔ سندھ یونیورسٹی میں ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ پروفیسر جمیل واسطی مرحوم تھے، جو پنجاب سے ریٹائرمنٹ کے بعد کنٹریکٹ پر حیدرآباد آئے تھے۔

ہماری کلاس میں تقریباً بیس سٹوڈنٹ تھے۔ ان میں چھ کے قریب طالبات تھیں۔ اس زمانہ میں طالبات انگریزی ادب فیشن کے طور پر پڑھا کرتی تھیں۔ ہماری کلاس نے پکنک کا ایک پروگرام بنایا، لیکن اس پر اختلاف ہوگیا کہ لڑکیاں اور لڑکے اکٹھے پکنک منانے جائیں یا الگ الگ؟۔ یہ معاملہ پروفیسر جمیل واسطی کے علم میں آیا تو انہوں نے رائے دی کہ الگ الگ پکنک کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مگر یہاں تو مخلوط تعلیم ہے واسطی صاحب! ایک لڑکی نے اٹھ کر احتجاج بھری آواز میں کہا۔ میں نے کب کہا کہ میں مخلوط تعلیم کا حامی ہوں؟ واسطی مرحوم بولے۔ سر! یہ کیسی بات کررہے ہیں آپ؟ زمانہ بہت ترقی کرچکا ہے۔ وہ لڑکی بولی۔ واسطی صاحب نے گھوم کر لڑکی کی طرف دیکھا جو ایک معروف متمول اور فیشن ایبل خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ پھر انہوں نے میری طرف

دیکھا اور کہا: غلام اکبر! تمہاری جیب میں ایک چونّی ہوگی؟ اس عجیب وغریب سوال پر میں چونک پڑا اور جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ واسطی صاحب فوراً ہی بولے: دروازے سے باہر جاکر چونی کاریڈار میں رکھ دو۔ پوری کلاس حیرت زدہ تھی، میں بھی حیرت زدہ ہوکر دروازے کی طرف مڑا، تو واسطی صاحب بولے: سمجھ لو کہ تم چونّی کلاس کے باہر رکھ چکے ہو، اب بیٹھ چکے ہو۔ پھر واسطی صاحب اس لڑکی کی طرف مڑے اور بولے: جب ہم کلاس ختم کرکے باہر نکلیں گے تو کیا وہ چونی وہاں موجود ہوگی؟ لڑکی بدحواس سی ہوگئی، پھر سنبھل کر بولی: ہوسکتا ہے کہ اگر کسی کی نظر پڑے تو اٹھالے۔ اس جواب پر واسطی صاحب مسکرائے اور سب سے مخاطب ہوکر بولے: دیکھ لیں کہ جن لوگوں پر ایک چونّی کے معاملے پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، وہ لڑکیوں کے معاملے میں کس قدر شریف ہیں؟ حالانکہ چونّی بچاری تو لپ سٹک بھی نہیں لگاتی!!۔

واسطی صاحب کی اس بات پر پوری کلاس کو سانپ سا سونگھ گیا۔ میں آج تک وہ بات نہیں بھولا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں دقیانوسی سوچ رکھتا ہوں یا واسطی صاحب بہت زیادہ قدامت پسند اور دقیانوسی سوچ کے حامل تھے، لیکن کیا اس بات میں کچھ سچ ایسے نہیں چھپے ہوئے جن کا تعلق براہ راست انسان کی فطرت اوران جبلتوں سے ہے جنہیں سدھایا اور سدھارا نہ جائے تو ان کی رو میں تہذیب وتمدن کے تمام تقاضے بہہ جایا کرتے ہیں؟۔

جب ہم اقدار کی بات کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اپنی شناخت کے حوالے سے کرتے ہیں اور جب ہم شناخت کی بات کرتے ہیں تو لبرل سے لبرل مسلمان کے لئے بھی یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے، لیکن درحقیقت وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے بنیادی شرط کیا ہے؟ ہم مسلمان اس لئے ہیں کہ ۶۱۰ء میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا، جو انیس برس سے زیادہ عرصے تک جاری رہا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، اور ان پر نازل ہونے والا قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب

ہدایت ہے۔ ہم اس کتاب ہدایت پر مکمل ایمان رکھے بغیر خود کو مسلمان ہرگز قرار نہیں دے سکتے اور یہ بات بھی ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کو خدا کی بھیجی ہوئی آخری کتاب ہدایت میں عائد کردہ پابندیوں اور واضح کردہ قوانین وضوابط کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔

یہ بات ثقافت کی ہوتی ہے تو بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے یعنی اپنی ثقافت کو حکم الٰہی کی کسوٹی پر دیانت داری سے پرکھیں اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ہمیں منع کیا ہے، ان سے احتراز کریں اور انہیں اپنی ثقافت کا حصہ نہ بننے دیں۔

میں یہاں روایات کی پابندی کی بات نہیں کررہا، نہ ہی میں دین کے پرچم برداروں کے فتووں کی بات کررہا ہوں، جو قرآن حکیم میں صادر فرمائے گئے ہیں، ان احکامات کی نفی یا ان سے دانستہ طور پر احتراز، فرار یا انکار ہمیں خدا کے نافرمانوں اور باغیوں کی فہرست میں شامل کردے گا۔

بات یہاں میوزیکل کنسرٹس کے حوالے سے شروع ہوئی تھی، تو ہمیں پوری دیانت داری کے ساتھ اپنے آپ سے پوچھنا ہوگا کہ ان کنسرٹس کے ذریعہ جو معاشرتی اور اخلاقی رجحانات فروغ پارہے ہیں، جن رویوں اور جس لباس کو شرف قبولیت عطا کیا گیا ہے، کیا وہ قرآن میں واضح طور پر متعین کردہ ''ضوابط'' سے مطابقت رکھتے ہیں؟ کیا ان میوزیکل کنسرٹس میں پیش کیا جانے والا کلچر اور ان سے لطف اندوز ہونے والے اجتماعات کے طور طریقے کسی بھی لحاظ سے ''نام لیوانِ محمدؐ'' کے شایانِ شان ہیں؟۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اب بات مخلوط تعلیم تک محدود نہیں رہی۔ مخلوط معاشرت تک پہنچ کر اس سے بھی آگے نکلتی جارہی ہے۔ گزشتہ دنوں راولپنڈی کے ایک سکول کی تین طالبات اور تین طلبہ کے غائب ہوجانے اور پھر پشاور کے ایک ہوٹل سے برآمد کئے جانے کا واقعہ ہمارے ذہنوں میں اگر نئی نسل میں پروان چڑھنے والے خطرناک رجحانات کے بارے میں تشویش ناک سوالات نہیں ابھار رہا تو میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گا کہ ہم مغرب کی اخلاق باختگی کو ثقافت کے نام پر اپنے معاشرتی رویوں میں شامل کرکے اپنی اُس ''شناخت'' سے

غداری کر رہے ہیں، جس کی جڑیں احکاماتِ خداوندی میں ہیں۔
تفریح کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن رویوں کی حد بندی بہرحال ہونی چاہئے۔ اگر رقص موسیقی کا حصہ ہے تو ''اعضاء کی شاعری'' کو کس حد تک آگے جانا چاہئے۔ فن کہاں ختم ہوتا ہے؟ اور ترغیب کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ اس کا تعین بھی لازمی ہے۔ چند برس قبل جو لباس شریف گھرانوں میں داخل نہیں ہوسکتا تھا، وہ آج کی ''شریف زادیاں'' بڑے افتخار اور بڑی شان کے ساتھ پہن رہی ہیں۔
میں اسے ثقافتی حملہ کہوں گا۔ حملہ آور کون ہے؟ اس سوال کا جواب دینا یہاں میرا کام نہیں، لیکن حملہ ہو رہا ہے، بلکہ ہو چکا ہے اور اس حملہ میں ہمارے بعض ٹی وی چینل بڑا ابھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔
جب حملہ ہوتا ہے تو مدافعت بھی جنم لیتی ہے اور مجھے یوں لگ رہا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب اپنی ''اسلامی شناخت'' پر فخر کرنیوالے لوگ اس حملے کے خلاف صف بند ہو جانے پر مجبور ہو جائیں گے''۔

(روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ۴ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۸ر جنوری ۲۰۱۲)

ہمارا مطالبہ ہے کہ تمام سرکاری وغیر سرکاری اداروں اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں ہر قسم کا ناچ، گانا اور میوزیکل پروگراموں پر پابندی لگائی جائے۔ اس مخلوط تعلیمی نظام کو بدلا جائے، تعلیمی اداروں سے ہر قسم کی بے پردگی، بے حیائی اور بے ہودگی کا قلع قمع کیا جائے اور اس کے تمام ذرائع واسباب کو چن چن کر ختم کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی عوام کو بھی چاہئے کہ اپنے اپنے حلقۂ انتخاب میں ایسے لوگوں کو آئندہ الیکشن میں بالکل مسترد کردیں، جو ایوانوں میں بیٹھ کر اسلام، اسلامی تہذیب واخلاق، اسلامی اقدار وشعار اور نظریۂ پاکستان کی تضحیک وتذلیل اور انہیں پامال کرنے اور مٹانے کا موجب اور ذریعہ بنتے ہیں۔ إن أريد إلا الاصلاح ما استطعت، وما توفيقي إلا بالله.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين.

# بنیاد پرستی کا مصداق! مغرب کی نظر میں

حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ

۲۳ رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۸ رجنوری ۲۰۱۲ء بروز بدھ دار العلوم دیوبند کے استاذِ حدیث حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم العالیہ صاحبزادۂ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لائے، اور بعد نمازِ مغرب آپ نے طلباء وفضلاء کے ایک بڑے مجمع سے خطاب فرمایا۔ جسے مولوی عمران متخصص فقہ اسلامی نے ضبط کیا۔ وعظ ونصیحت سے بھرپور یہ خطاب افادۂ عام کے لئے ھدیۂ قارئین ہے۔ (ادارہ)

**الحمدللّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیّئات أعمالنا ، من یھدہ اللّٰہ فلامُضِلَّ لہ ومن یُّضْلِلْہُ فلاھادیَ لہٗ ، ونشھدأن لاإلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدأن سیّدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ، أمابعد :**

عزیز طلبہ! میں ایک مرتبہ اپنے سفر کے سلسلے میں انگلینڈ گیا۔ اس کو زمانہ ہوگیا۔ میرے چھوٹے بھائی نے مجھے دِلّی سے یہ اطلاع دی کہ وہاں یونیورسٹی ہے لندن میں، آکسفورڈ یونیورسٹی، جس طرح تمام یونیورسٹیوں کے اندر اسلامیات کا ایک شعبہ ہوتا ہے، اسی طرح اُس یونیورسٹی کے اندر بھی ایک شعبہ ہے، شعبۂ اسلامیات، اس کے ہیڈ اس وقت ہندوستان کے ایک ڈاکٹر تھے، ڈاکٹر فرحان، علی گڑھ یونیورسٹی کے اندر ایک پروفیسر تھے، پروفیسر خلیق احمد نظامی، یہ اُن کے بیٹے تھے۔ پروفیسر خلیق احمد خود تو عربی پڑھے ہوئے نہیں تھے، لیکن ان کی تربیت کی تھی اُن کے ماموں فریدی صاحب نے جو دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، پھر حضرت - رحمۃ اللہ علیہ - سے

بیعت ہوئے اور سلوک کے اندر پڑھتے رہے، پھر حضرت کا انتقال ہوگیا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اجازت دی۔

فریدی صاحب کو لوگوں کے تراجم لکھنے میں بڑی مہارت تھی، اگر چہ اخیر میں نابینا ہوگئے تھے، مگر شغف تھا مطالعے کا، دوسروں سے مطالعہ کرواتے تھے اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے۔ اُن کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی لئے خصوصیت سے ان کی تصنیفات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور خصوصیت سے مشائخ چشت کی سلسلے میں ان کے جو مقالات اور بعض کتابیں ہیں اُن کی بڑی قدر ہوئی علماء کے درمیان۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ اُن کے بیٹے ہیں۔ میں نے اُن کو ٹیلیفون کیا۔ ٹیلیفون نمبر مجھے ہندوستان ہی سے ملا تھا۔ میری اُن سے بات چیت ہوئی اور یہ طے ہوا کہ صبح کو ہم اُن کے ہاں جائیں گے اور چائے ساتھ پئیں گے۔ جیسے دنیاوی تعلیم یافتہ لوگ ہوتے ہیں، قطعاً شکل وصورت سے یہ محسوس نہیں ہوا تھا کہ وہ مذہبی آدمی ہیں یا مذھب سے اُن کا کوئی تعلق ہے۔ بات چیت ہوتی رہی، ماحول کے اوپر، حالات کے اوپر اور وہ درمیان میں مجھ سے کہنے لگے کہ: یہاں ایک سیمینار ہوا، لندن کے اندر یورپ اور امریکہ کے دانشوروں کا اور اس کا موضوع تھا fundamentalism ''بنیاد پرستی''۔ کہنے لگے کہ: میرے پاس بھی دعوت نامہ آیا، میں گیا، صبح سے شام تک ہال کے اندر اسی موضوع کے اوپر لوگ اپنے مقالات اور تقریروں کو پیش کرتے رہے، یہ زمانہ ہے افغانستان کی دلدل میں پھنس کر روس کے سقوط کے بعد کا۔

## مغربی دنیا کو درپیش سب سے بڑا چیلنج ''بنیاد پرستی'':

ہر شخص یہی کہتا تھا کہ اب دنیا کو ترقی کے سلسلے میں جس چیلنج کا سامنا ہے، وہ fundamentalism ''بنیاد پرستی'' ہے، اصل میں یہودیوں کے خلاف اس اصطلاح کو وضع کیا گیا تھا۔ وہ زمانہ گزر گیا۔ اب یہ دوسری مرتبہ پھر fundamentalism ''بنیاد پرستی'' کی اسی اصطلاح کو لاکر رکھا گیا اور ہر شخص یہ کہتا تھا کہ اب دنیا کو جس چیلنج کا سامنا ہے وہ fundamentalism ''بنیاد پرستی'' ہے۔ یہ ہے کیا؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟ وہ نہیں واضح ہورہا تھا۔ کہنے لگے کہ کچھ لوگوں نے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ: بنیاد پرستی سب سے بڑا چیلنج ہے۔ ہم دنیا کو کہتے ہیں کہ آگے بڑھو، بنیاد پرست طبقہ یہ کہتا ہے کہ نہیں! چودہ سو سال پیچھے چلو۔ ہم کہتے ہیں کہ: دنیا کے لئے خیر آگے بڑھنے میں ہے، بنیاد پرست طبقہ کہتا ہے کہ: پیچھے چلنے میں ہے، اور وہ بھی سو، دو سو سال نہیں، بلکہ چودہ سو سال پیچھے چلنے میں ہے۔ اب پتہ چلا کے وہ fundamentalism ''بنیاد پرستی'' ہے کیا چیز؟ ہم اپنے تمام دنیا کے وسائل کو کام میں لاکر دنیا کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اور fundamentalism ''بنیاد پرستی'' وہ چیز ہے جو ہمارے مقابلے کے اندر ہے، ہمارے پاس وسائل ہیں، ہمارے پاس دولت ہے، خزانے

ہیں، ہم جس کی دولت کو چاہیں، اوپر اُٹھالیں، جس کی کرنسی کو چاہیں، گرادیں، اگر ہمیں کسی چیلنج کا سامنا ہے تو وہ ہے ''بنیاد پرستی''۔ یہ ایک منافست ہے، ہم آگے بڑھانا چاہتے ہیں، وہ ہمیں پیچھے لے کر چلنا چاہتے ہیں۔

کہنے لگے کہ: میں سب سنتا رہا، مجھے کچھ بولنا نہیں تھا اور اخیر میں جو بات سامنے آئی، لُبِّ لباب تو اس وقت متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ ہمیں دنیا کو ترقی کی سمت میں آگے بڑھانے میں جس چیلنج کا سامنا ہے، وہ بنیاد پرستی ہے اور بنیاد پرستی کا مرکز ہندوستان ہے۔ مجھ سے وہ کہنے لگے کہ: میں کوئی مذہبی آدمی نہیں ہوں، لیکن میں نے اس دن فیصلہ کیا کہ ہمارے اکابرؒ نے جو نشانہ بنایا تھا اور جس کے لئے انہوں نے کم وبیش دوسو سال تک قربانی دی ہے، ان کی کامیابی کے لئے اس سے بہترین کوئی سند نہیں ہے۔ یہ بات چیت ہوتی رہی، میں نے اس کو سنا اور میں وہاں سے اُٹھ کر چل دیا۔

## بنیاد پرستی کا مصداق مغرب کی نظر میں:

میں راستے بھر یہ سوچتا رہا کہ یہ کیا بات کہہ رہے ہیں کہ fundamentalism ''بنیاد پرستی'' ایک ایسی چیز ہے کہ وہ طاقتیں جو آج دنیا کے اندر یوں سمجھئے کہ ہر ایک نبض ان کے ہاتھ میں ہے، وہ جس ملک میں چاہیں، جسے کرسیٔ اقتدار پر بٹھادیں اور جسے چاہیں اقتدار کی کرسی سے باہر کردیں، اگر ان کو کسی چیز سے خطرہ محسوس ہورہا ہے کہ اس میدان میں جتنی کامیابی وہ چاہتے تھے، اتنی کامیابی ان کو نہیں مل رہی تو وہ fundamentalism ''بنیاد پرستی'' ہے، جس کی بنیاد ہندوستان ہے اور ہندوستان میں تو کچھ بھی نہیں ہے، ہندوستان کوئی ترقی یافتہ ملک نہیں ہے، بلکہ ترقی پذیر ملک ہے۔ آگے بڑھنا چاہتا ہے، صنعت وحرفت کے اعتبار سے، مگر بنیاد پرستی جسے اسلامی بنیاد پرستی کہہ رہے ہیں، وہ ہے کیا چیز؟۔

میں سوچتے سوچتے اس پر پہنچا کہ مرکز ہندوستان اور ایسا مرکز کہ جس سے نکلنے والی روشنی ساری دنیا میں پھیل رہی ہے، یہاں تک کہ یورپ اور امریکہ اس کے وزن کو محسوس کررہا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک تو چیز تبلیغی جماعت ہوسکتی ہے جس کا مرکز بنگلے والی مسجد ہے اور آپ دنیا میں کہیں چلے جائیں، کسی ملک میں چلے جائیں، آپ کو لوگ کمر کے اوپر اپنے بستر اُٹھائے ہوئے، اسٹوو (چولہا) ہاتھ میں لئے، ایک دو دیگچیاں لئے ہوئے ہر جگہ مل جائیں گے، ہوائی جہازوں میں گھومیں تب، ریلوں کے اندر چلیں تب، بسوں کے اندر چلیں تب، وہ اپنا چلتے رہتے ہیں، انہیں کسی سے کوئی سروکار نہیں، نہ کسی سے کچھ مانگنا ہے، نہ کسی کو کچھ دینا ہے، اپنے چھ مقاصد ہیں، ان کے چھ نمبر، دنیا میں کچھ بھی ہوجائے، زلزلہ آجائے، مصیبت آجائے، وہ اپنے چھ نمبر سے باہر نہیں ہیں، ایک یہ ہیں جن کا مرکز ہندوستان ہے۔

دوسری چیز میرے ذہن نے فیصلہ کیا کہ مدارسِ اسلامیہ ہیں، ان کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہے، آج دنیا میں کہیں بھی جایئے، آپ کو مدارس ملیں گے اور ان مدارس کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہے۔ ایک ہی نصاب تعلیم آپ کو ملے گا، جزوی ترمیمات، ایک دو کتابیں اِدھر سے اُدھر ہوگئیں تو وہ دوسری چیز ہے، لیکن وہ بنیادی نقشہ جس کے اوپر تعلیمی ڈھانچہ کھڑا ہے مدارس کا، وہ وُہی ہے جو دارالعلوم دیوبند کا ہے اور اسی اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ مدارسِ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند ہی کی شاخیں ہیں، نصاب تعلیم وہی ہے، مسلک وہی ہے اور وہی اسلاف ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے اسلاف ہیں۔

### اصل مدارسِ اسلامیہ ہیں:

میرا ماننا یہ ہے کہ اصل تبلیغی جماعت نہیں ہے، اصل مدارس اسلامیہ ہیں، تبلیغی جماعت کا بالکل پہلا امیر انہی مدرسوں سے بن کر نکلا، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اس کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مدرسہ مظاہر العلوم کے پڑھے ہوئے تھے، اس کے بعد ان کے دو امیر بنے، مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور مولانا اظہار صاحبؒ، دونوں کے دونوں مدرسوں سے پڑھ کر نکلے تھے، مولانا اظہار صاحبؒ کے انتقال کے بعد آج بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں (مولانا محمد سعد صاحب نبیرۂ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور مولانا زبیر الحسن بن مولانا انعام الحسن صاحبؒ) دونوں جوان ہیں اور مدرسے سے پڑھ کر نکلے ہیں، ہر آدمی جو مسند پر بیٹھ رہا ہے اور امیر کہلایا جاتا ہے مدرسوں سے پڑھ کر نکلا ہوا ہے، اگر تبلیغی جماعت کا مسلک دیکھیں تو اپنا کوئی مسلک نہیں، مسلک ہے دیوبند کا، آج بھی اگر کسی مسجد سے بوریہ بستر اُٹھا کر پھینکتے ہیں تو یہی کہہ کر نکالتے ہیں کہ یہ دیوبندی کافر ہیں، انہیں نکال دو مسجد سے۔

اصل تبلیغی جماعت نہیں، اصل مدارسِ اسلامیہ ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو وہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہماری منافست ہے، مسابقت ہے اور ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اگر کوئی طاقت کھڑی ہے میدانِ عمل میں، جبکہ ہمارے پاس دولت، سرمایہ، دنیا کا علم ہے، وہ طاقت ہے کہ ہم جسے چاہیں اُکھاڑ دیں، جسے چاہیں مضبوط کردیں، اتنی طاقت کے باوجود اگر کچھ لوگ جو بے سہارا ہیں، بے حیثیت، بے وقعت ہیں، جن کے پاس کوئی دولت وسرمایہ نہیں ہے، لیکن ہمارے گریبان میں ہاتھ ڈال رہے ہیں، وہ طاقت کیا ہے؟ جس سے ہمیں پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، افغانستان ہر جگہ خطرہ ہے اور ایسا ہے کہ اس کی شاخیں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ میرا ایک تجزیہ تھا، میں نے اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ بھی اس پر غور کریں کہ اصل چیز یہی ہے۔

## مغربی تہذیب اور اہل مغرب کا مذہب سے تعلق:

مغربی تہذیب نے ہر دین کا کباڑا کردیا، یہاں تک کہ جو ان کا اپنا مذہب تھا اس کی بھی جڑوں کو اُکھاڑ دیا۔ آپ کے اساتذہ ہیں، یہ حضرات یورپ اورامریکہ جاتے ہیں، بڑی سے بڑی، قیمتی سے قیمتی جگہ جس کو CityCentre ''مرکزِ شہر'' کہہ دیجئے، آپ کو کوئی راستہ خالی نہیں ملے گا جہاں چرچ نہ ہو اور اس کا منارہ آسمانوں سے باتیں کرتا ہوا آپ کو نظر آئے گا، لیکن اس کے دروازے کے اوپر مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہوگا، سینکڑوں نہیں، ہزاروں چرچ بک گئے، مسلمانوں نے اسے خریدلیا، کسی نے اسکول بنالیا، کسی نے مسجد، بے شمار مساجد اسی طرح بنی ہیں، نیلامی بولی جاتی ہے، اس کے اندر مسلمان خرید لیتے ہیں اور خرید کر کے اسے مسجد بنالیتے ہیں، ہر سڑک کے اوپر ہر جگہ چرچ کا بنا ہونا اس بات کو بتاتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس قوم کا تعلق مذہبی چرچ سے اتنا مضبوط تھا کہ کہیں یہ قوم بغیر چرچ کے نہیں رہ سکتی تھی، یہ مغربی تہذیب ہے کہ سو، ڈیڑھ سو سال سے یہ چرچ کھڑے ہوئے ہیں، لیکن ان میں کوئی آنے والا نہیں ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے کسی منطقی دلیل کی ضرورت نہیں، میدانِ عمل میں جاؤ اور دیکھو، اگر کسی مذھب کے ماننے والوں کو زیر نہیں کیا جاسکا اور وہ یورپ میں رہ کر اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں، تو وہ آج مسلمان کے سوا کوئی اور قوم نہیں۔

## مدرسہ، دین پر قائم رہنے کا ذریعہ:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے اسکولوں میں پڑھتے ہیں، بڑے بڑے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں، انہوں نے کیسے تھام رکھا ہے؟ وہ طاقت کون سی ہے جو انہیں مذھب پر لگائے ہوئے ہے؟ میں اور آپ اس کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے، ہم تو سمجھتے ہیں کہ ایک مدرسہ ہے، ایک مکتب ہے اور بچوں کو قاعدہ بغدادی پڑھارہا ہے، لیکن یہ اتنی بھاری بھرکم چیز ہے کہ وہ حکومتیں جو یورپ اور امریکہ میں بیٹھی ہوئی ہیں، وہ اس کے ثقل کو وہاں بیٹھے محسوس کررہی ہیں کہ آخر کیا بات ہے؟ ساری دنیا پر حکومت ہماری ہے، اور وہ جو ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ہورہا، اس میں ہمارا مقابلہ کون سی طاقت کررہی ہے؟ وہ طاقت ہے مدارسِ اسلامیہ۔

## حصولِ علم کے لئے ضروری چیز:

میرے بھائی! آپ اس طاقت کو محسوس کریں اور مدرسوں کے اندر آپ اپنی زندگی کو بنانے کے لئے وہ ثقل لائیں جس کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اپنے سر کو جھکادے، اس کے لانے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے لانے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ آپ اپنی زندگی کو اس علم کے حاصل کرنے میں وقف کردیں، علم اس طرح حاصل نہیں ہوتا، جس طرح آج کل کے زمانہ میں ہے

کہ ادھر گئے، کتاب اُٹھائی اور آکر استاد کے سامنے بیٹھ گئے، وہ لوگ جن کو اللہ نے دماغ دیا ہوا تھا اور وہ علم میں ڈوبے ہوئے تھے، ان لوگوں کا تجربہ ہے کہ ایک عالم کو عالم بننے کے لئے اور طالب علم کے علم کی ضمانت کے لئے تین چیزوں کا ہونا شرط ہے:

۱......: (طالب علم) سبق میں آنے سے پہلے مطالعہ کرتا ہو، چاہے کچھ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

۲......: جو سمجھا ہے اس کی اصلاح کے لئے استاد کے سبق میں غور وفکر کے ساتھ بیٹھتا ہو، (وہ) غور کرے کہ جو میں نے سمجھا وہ صحیح تھا یا نہیں؟ اگر صحیح تھا تو خدا کا شکر ادا کرے، غلط تھا تو اصلاح کرے۔

۳......: استاد کے سبق میں اصلاح کر لینے کے بعد بیٹھ کر اس کو دُہرالے۔

یہ اصحاب فن اساتذہ کا قول تھا اور وہ اسی طرح طالب علم کی تربیت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ نکلے باہر جہاں دنیا میں جاکر بیٹھ گئے، کامیاب مدرس بن گئے۔ یہ انتہائی ضروری چیز ہے۔ اگر آپ نے اپنی تمام دلچسپیوں کو سمیٹ کر علم کے حصول کے لئے ان تین چیزوں میں لگادیں تو آپ وہ مردِ میدان ہو سکتے ہیں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کے پنجے میں پنجہ ڈال سکتے ہیں اور ایسے ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں کام کیا، جن اسلاف کا نام لیا جاتا ہے وہ ایسے نہ تھے کہ طالب علمی کے زمانہ میں ان کے مشاغل ہوا کرتے تھے۔

## طالب علمی کے زمانہ میں حصولِ علم کے علاوہ دیگر مشغولیات سے بچنا:

طالب علمی کے زمانہ میں علم کے حصول کے علاوہ کسی اور مشغلے سے دلچسپی درحقیقت اپنی زندگی کو خراب کرنا ہے۔ ہمارے اکابر حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر اور پھر وہ سلسلہ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن) رحمۃ اللہ علیہ پر پہنچا، ان کی شخصیت ایسی شخصیت ہے کہ دنیا کے اندر ایسی مثالیں علماءِ امت کے اندر کم ملیں گی، کسی ایک شخص کے شاگردوں میں اتنے بڑے بڑے اصحابِ فن، اہل علم جو مختلف علوم وفنون کے ماہر اور امامت کا درجہ رکھنے والے اور سب کے سب ایک بنیاد پر جاکر مل رہے ہیں، بہت کم لوگ امت کے اندر ایسے ملیں گے جنہوں نے اتنے بڑے بڑے علماء، ائمہ کو پیدا کر ڈالا۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود اس شخص کے اندر کتنی علمی طاقت اور اس کے علم میں کتنی وسعت تھی جو بھی صاحبِ صلاحیت شاگرد آکر بیٹھ گیا وہ پتھر تھا اور ہیرا بن گیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں ''مجدد ملت'' کہا جاتا ہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ ایک لطیفہ یاد آیا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تھانہ بھون تشریف لے گئے، حضرت تھانوی کا بڑا نپا تُلا معاملہ ہوا کرتا تھا، لیکن حضرت نے اپنے استاد کے لئے اپنے دسترخوان کو سجا ڈالا، جو کر سکتے تھے کر لیا، حضرت نے پوچھا کہ مولوی اشرف علی! اس تکلیف کی کیا علت ہے؟ حضرت تھانویؒ انتہائی ذہین آدمی تھے، فوراً فرمایا: حضرت! اس کی علت آپ کی تشریف آوری کی قلت ہے۔ یہ کمالات جو حضرت تھانویؒ میں پیدا

ہوئے، یہ کہاں سے آئے تھے؟ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حافظ حدیث، اللہ نے انہیں علم کا سمندر عطا کیا تھا۔ انہیں میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم، بڑے بڑے مفتی اُن کے پیروں کو چُھوا کرتے تھے، دارالعلوم کے مفتی، بڑے ماہر آدمی تھے، فتوی کے اندر شامی کا مطالعہ تین مرتبہ کیا تھا اور کسی بھی مسئلے کو تلاش کرنا ہوتا تھا تو بس ایک دفعہ کتاب کھولتے تھے اور پانچ سات صفحے اِدھر یا پانچ سات صفحے اُدھر، اتنی مستحضر تھی۔ حضرت مفتی اعظمؒ کے انتقال کا وقت قریب تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور مفتی مہدی حسن صاحب بھی ساتھ ساتھ، حضرت مفتی صاحب سید تھے اور حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ قوم کے نائی تھے، حجام تھے، لیکن علم ایسی چیز ہے کہ حضرت مفتی صاحب لیٹے ہوئے تھے جہاں سے نظر پڑی، وہیں سے دوڑے، جھکتے ہوئے مفتی مہدی حسن آئے اور جا کر ان کے قدموں میں گر گئے، اتنا بڑا علم تھا اور کہاں سے پیدا ہوا؟ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے! مجھ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرتِ مفتی صاحب کا کمال یہ تھا کہ بڑے بڑے مضامین بہت ہی مختصر اور جامع انداز میں بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ فرمایا کہ: مجھے اور مفتی کفایت اللہ صاحب کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا اور پرچۂ امتحان بھی بنایا، میں نے چھ صفحے لکھے اور حضرت مفتی صاحب نے بارہ سطریں لکھی تھیں جواب میں اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو برابر نمبر عنایت فرمائے تھے۔ کیسے بڑے بڑے لوگ تھے اور کتنا علم تھا ان کے اندر۔ یہاں پاکستان (لاہور) میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ مفسرِ قرآن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے، بڑے بڑے لوگ جس میدان کے اندر دیکھئے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نظر آئیں گے۔

میرے بھائی! یہ وہ افراد ہیں جنہوں نے کام کیا، میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو سلسلہ حضرت گنگوہی سے چلا تھا وہ اتنا مضبوط تھا کہ یہ حضرات، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تک کسی طالب علم کو کبھی بیعت نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب تک پڑھ رہے ہو، اپنی ساری توجہ پڑھنے کے اندر لگاؤ، یہاں تک کہ فرائض و واجبات وسنن کے علاوہ ذکر میں اشتغال بھی اگر پیدا ہوگا تو حصول علم کے اندر حارج ہوگا۔ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کبھی کسی طالب علم کو بیعت کی اجازت نہیں دیتے، موجود زمانہ کے اندر جو آج کشمکش ہے وہ خیالات، نظریات، وہ دلچسپیاں جو حصولِ علم کے بعد ہونی چاہئیں تھیں، میں دیکھتا ہوں کہ مدرسوں کے اندر گھس آئی ہیں اور میں یہ مدرسوں کے لئے بھی زہر سمجھتا ہوں، طالب علم کے لئے بھی زہر سمجھتا ہوں، آپ کا یہ کام نہیں کہ دنیا کے اندر کیا ہورہا ہے؟۔

## طلب علم کے زمانہ میں غیر علمی سرگرمی اپنے آپ کو خراب کرنا ہے:

آپ کسی تحریک کے اندر چل پڑے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنے میدان کو چھوڑ، آپ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، آپ پڑھ لیں، حصولِ علم کرلیں اور فارغ ہونے کے بعد آپ ج

میدان میں چاہیں گھس جائیں، باطل کے مقابلہ کے اندر گھس جائیں، آپ تبلیغ کے اندر چلے جائیں، آپ سیاست کے اندر گھس جائیں، آپ تعلیم کے میدان میں مدرسہ کے اندر بیٹھ جائیں، فارغ ہونے کے بعد جہاں جس وقت اسلام کو آپ کی ضرورت ہو، سمجھ لینے کے بعد آپ وہاں چلے جائیں اور اسلام کے ایک خادم کی حیثیت سے اپنے سر سے کفن باندھ کر کام کریں، بہت اچھی بات ہے!

زمانۂ طالب علمی کے دوران آپ اپنی مشغولیت کسی دوسری چیز کی طرف لگائیں، اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو بے کار کر دیا، آپ کے پاس علم ہوگا، جو چاہے آپ کر لیں! علم آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا، میں جو بات آپ سے کہہ رہا ہوں آپ اسے لکھ لیں، میرا تجربہ ہے چالیس پچاس سال کا، میں آپ سے کہتا ہوں کہ زمانۂ طالب علمی میں آپ کی زندگی کے اندر کسی بھی تحریک کا گھسنا، چاہے وہ تحریک آپ کو کتنی ہی پاکیزہ لگتی ہو، آپ اپنے آپ کو الگ رکھیں، ابھی اس کا وقت نہیں ہے، مدرسہ کے اندر۔

مدرسہ کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، شرور وفتن سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، اگر آپ اپنی زندگی کو عالمانہ زندگی بنانا چاہتے ہیں، اگر آپ فارغ ہونے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کی مختلف ضرورتوں کے اندر اپنی شخصیت کو مرکزی شخصیت بنانا چاہتے ہیں تو طالبعلمانہ زندگی آپ کی پاکیزہ ہونی چاہئے، پڑھنے کے بعد جو جی چاہے آپ کیجئے۔ اور اگر آپ نے ان حالات کے اندر جن سے دنیا گزر رہی ہے، ایسا نہ کیا اور مدرسے آپ کی وجہ سے خارجی اثر کا مرکز بن گئے تو مدرسے اُکھڑ جائیں گے، آپ محفوظ نہیں رہ سکتے۔ موجودہ زمانہ کے اندر میں دیکھ رہا ہوں کہ طرح طرح کی وہ چیزیں جو مدرسے سے باہر کی تھیں، وہ اندر گھس آئی ہیں اور وہ اندر گھسی ہیں تو اس کے نتائج دنیا کے اندر دیکھ رہے ہیں۔ مدارس کے بارے میں اک وبا ہے جو ساری دنیا میں پھیلی ہے کہ مدرسے کیا ہیں؟ مدرسے کیا ہیں؟ مدرسے کیا ہیں؟ ایک آفت ساری دنیا میں آئی ہوئی ہے، دنیا کے بعض ملک ایسے بھی ہیں جہاں مدرسوں کو بند کر دیا گیا ہے، ایسے بھی ہیں جہاں وہ طاقتیں جو یہ دیکھ رہی ہیں کہ ہمارا ہی راج ہونا چاہئے تھا، ساری دنیا میں۔ وہ یہ دیکھ رہی ہیں کہ یہ تحریکیں مدرسوں کے اندر گھس رہی ہیں، بہت اچھا موقع ہے مدرسوں کو اجاڑنے کا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے! آمین۔

میرے بھائی! آپ کو اس کی کوشش کرنی چاہئے اور جس کے اندر صلاحیت ہے اس کو علمی میدان کے اندر آگے بڑھنا چاہئے۔

## نصابِ تعلیم کا مقصد:

میں آپ سے ایک بات کرتا ہوں اور آپ میں سے بہت سے لوگوں کو اس کے اندر غلط فہمی ہوگی، آپ جس نصابِ تعلیم کو پڑھتے ہیں، اس نصاب تعلیم کو یہ سمجھنا کہ آپ اسے پڑھ کر عالمِ دین

بن گئے، یہ بڑی غلط سوچ ہے۔ دنیا کا کوئی نصابِ تعلیم ایسا نہیں ہے جو اس فن کی انتہا ہو، نہیں ہوتا یہ، بہترین سے بہترین نصابِ تعلیم کی خصوصیت یہ ہے تین شرائط کے ساتھ، کامیاب سے کامیاب ترین نصابِ تعلیم وہ ہے کہ اگر وہ شرائط میسر ہو جائیں تو اس نصابِ تعلیم کو پڑھنے کے بعد آپ میں یہ لیاقت پیدا ہو جائے کہ اس فن سے متعلق بے پڑھی کتابوں کا مطالعہ کر کے آپ اس کو حل کر سکیں۔ ورنہ یہ سمجھنا کہ دو سال آپ نے حدیث کی کتابیں پڑھیں، مشکوٰۃ اور اس کے بعد جو ہمارے نصابِ تعلیم میں کتابیں ہیں، ان کو پڑھ کر آپ نے سارا علمِ حدیث حاصل کر لیا، نادانی کی بات ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ ترجمہ قرآن شریف کا پڑھ کر کے، ایک جلالین پڑھ کر کے کوئی شخص یہ سمجھنے لگے کہ میں نے سارے قرآن کے علم کو حاصل کر لیا، کیا کہا جائے گا سوائے اس کے کہ بُزِ اخفش ہے، ایسا نہیں ہے، صرف اتنا ہے کہ کامیاب سے کامیاب تر نصابِ تعلیم اُسے کہا جائے کہ دو تین شرائط کے ساتھ اس نصابِ تعلیم کو پڑھنے کے بعد ہمارے طالب علم میں یہ لیاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ان فنون کی بے پڑھی کتابوں کو قوتِ مطالعہ سے حل کر سکتا ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

**۱۔۔۔۔۔۔: طالب علم ذہین ہو، محنتی ہو۔**

**۲۔۔۔۔۔۔: اس کا استاد با کمال ہو، علم کو منتقل کرنے کی اس میں صلاحیت ہو، باکمال کا یہ مفہوم ہے، خود جانتا ہے اور جو علم اللہ نے اس کو سینے اور دماغ میں دیا ہے وہ اپنے علم کو منتقل بھی کر دے، طالب علم کو، یہ بہت بڑی چیز ہے۔**

**۳۔۔۔۔۔۔: اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ استاد اپنا علم طالب علم کو دینا چاہتا ہو، محنت کرے اور محنت لے، طالب علم سے۔**

اگر یہ تین شرائط ہیں اور نصابِ تعلیم کامل اور مکمل ہو تو وہ طالب علم میں یہ لیاقت پیدا کر دے گا کہ اب وہ مطالعہ کر کے بے پڑھی کتابوں کو حل کر سکتا ہے۔ میں اسی لئے اپنے طلباء عزیز سے کہتا بھی رہتا ہوں کہ جن طلباء کو اللہ نے صلاحیت دی ہے اور انہوں نے محنت سے پڑھا ہے، اساتذہ اصحابِ فنون تھے، انہوں نے چاہا کہ اپنے علم کو منتقل کر دیں، محنت کی ہے اور محنت لی ہے، ان طلباء کو اپنی تعلیمی سرگرمیاں آگے بڑھانا چاہئیں، مطالعہ کرنا چاہئے، کتابوں کو پڑھنا چاہئے، تاکہ وہ مستقبل میں ایک بہترین مدرس بن کر مدارس کو آباد کر سکیں، ان کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ وہ طلباء جن کے اندر یہ لیاقت نہیں ہے، وہ خداداد صلاحیت ان کے اندر نہیں ہے، قوتِ حافظہ نہیں ہے، وہ محنت نہیں کر سکے، آپ نے اسلام کی مبادیات کو سیکھ لیا، حلال وحرام کو جان لیا ہے، آپ ہر میدان کے اندر جہاں اسلام کو آپ کی ضرورت ہے، آپ وہاں بڑھ جایئے، کوئی حرج نہیں ہے۔

## مدرسے کو ہر قسم کی تحریک سے پاک رکھیں:

لیکن ان دنوں کے اندر میں یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنی مدرسے کی زندگی کو ہر تحریک سے پاک رکھیں، جہاں آپ جب بھی کسی تحریک کے اندر گھسیں گے اور آپ اپنے خیالات کے اندر ان خارجی اثرات کو لائیں گے، اور اپنی زندگی کو اسی رنگ میں رنگنا چاہیں تو یاد رکھئے! کہ طالب علمانہ رنگ نکل جائے تو آپ اچھے معلّم یا متعلّم نہیں بن سکیں گے۔ یہ تجربہ ہے۔ اور میں آپ سے یہ بات کہتا ہوں کہ آپ کو اپنی زندگی اس طرح کی پاکیزہ زندگی (گزارنا چاہئے کہ آپ کو معلوم نہ ہو کہ) کہ کیا ہو رہا ہے باہر؟ کچھ نہیں! جب ہم پڑھ لیں گے پھر اپنے لئے راستے کو متعین کریں گے۔ طالب علمانہ زندگی میں آپ میں یہ لیاقت نہیں ہے کہ آپ اچھے اور برے کو پرکھ بھی سکیں، آپ کے لئے کون سی چیز کامیاب کرنے والی ہے، کون سی چیز ناکام بنانے والی ہے، آپ میں ابھی یہ لیاقت وصلاحیت بھی نہیں ہے، جب آپ پڑھ کر نکل جائیں گے تب اس کے بعد آپ کسوٹی کے اوپر پرکھئے، اس کے انجام کو دیکھئے، مختلف چیزوں کے اندر موازنہ کیجئے، اپنے بڑوں سے مشورہ کیجئے، اور مشورہ کر لینے کے بعد اپنے لئے ایک راستہ کو متعین کر لیجئے۔ آپ اس میں کامیاب ہوں گے۔ طالب علمانہ زندگی میں (یہ سب کچھ) نہیں ہوسکتا، اگر ہوسکتا ہے تو صرف یہی کہ آپ طالب علم ہیں، اپنے آپ کو طلب علم کے اندر بالکل مستغرق بنا دیجئے، تب آپ کامیاب ہوں گے، ورنہ نہیں۔


دینی مدارس کے طلباء کے لئے خوشخبری

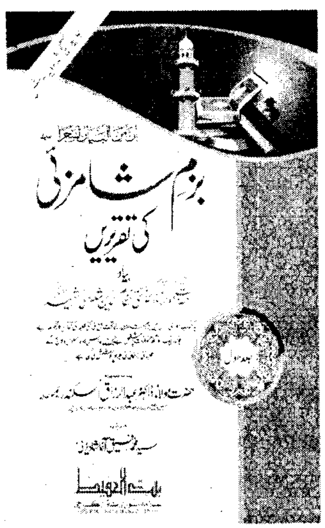

''بزمِ شامزئی کی تقریریں'' کے نام سے انتہائی دلچسپ اور علمی تقاریر پر مشتمل کتاب کا جدید تصحیح شدہ ایڈیشن چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے جن میں اکثر تقاریر پر اس فن کے شہسوار داد تحسین حاصل کرکے انعام کے مستحق قرار پا چکے ہیں۔

رابطہ: 0333-3382753

اس کے علاوہ کراچی کے تمام بڑے کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

نوٹ: جلد ثانی زیرِ طبع ہے

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

# آپ خود حساب کرلو!

پروفیسر محمد حمزہ نعیم، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج، جھنگ

کل جگ نہیں کہ جگ ہے یہ
یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے
اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

اس نے انٹرنیٹ کھولا تو لکھا تھا: آپ کو disabled کوٹے میں امیدوار لکھ لیا گیا ہے، آپ انٹرویو کے لئے پیش ہوں۔ وہ حیران تھا میں تو اللہ کے فضل وکرم سے بالکل صحیح سالم ہوں، کسی بھی طور disabled نہیں ہوں۔ ہوا یہ تھا کہ درخواست فارم بذریعہ ڈاک بھی جانا تھا اور بذریعہ کمپیوٹر بھی۔ کمپیوٹر میں ایک کالم disabled کا تھا۔ غلطی سے اُس کو ٹِک کردیا، فوراً درستی کی کوشش کی، مگر کمپیوٹر نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ درخواست بذریعہ ڈاک میں درست لکھا تھا، مگر سروس کمیشن اہلکار نے کمپیوٹر درخواست کو درست مان لیا۔ غلط اندراج کی درستی کے لئے اَب دوبارہ درخواست رجسٹری ڈاک بھیج دی گئی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

”من سن في الإسلام سنّة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء ومن سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من اوزارهم شیٔ“۔

(مسلم شریف، جلد:۱، ص:۳۲۷)

ترجمہ: ”جس کسی نے اچھی راہ اختیار کی، اُسے اپنے عمل کا اجر ملے گا، پھر اُس کے بعد جو کوئی اِس راہ چلے گا، اُن کا اجر بھی ملے گا اور اِن کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی اور جس کسی نے بُرا طریقہ اختیار کیا، اُسے اپنے غلط عمل کا گناہ بھی ملے گا، اور

اس کے بعد جو کوئی اس بُری راہ پر چلے گا، اُن کا گناہ بھی ملے گا اور اِن کے گناہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی''۔

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

''وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ،وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا،اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا''۔(بنی اسرائیل:۱۳)

ترجمہ: ''اور جو آدمی ہے، لگادی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے ان کو قیامت کے دن ایک کتاب کہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی، پڑھ لے اپنی کتاب، تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا''۔

دوسری جگہ فرمایا:

''مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّالَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ''۔(ق:۱۸)

ترجمہ: ''نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اُس کے پاس ایک راہ دیکھنے والا تیار''۔

ایک اور جگہ فرمایا:

''یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَامَالِهٰذَاالْكِتٰبِ لَایُغَادِرُصَغِیْرَةً وَّلَاكَبِیْرَةً اِلَّآاَحْصٰهَا''۔
(کہف:۴۹)

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں: ہائے خرابی! کیسا ہے یہ کاغذ؟ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات، جو اس میں نہیں آئی''۔

سب کچھ درج سامنے موجود ہے۔ آج کا کمپیوٹر اور انٹرنیٹ اللہ اور اُس کے نبی ﷺ کی باتوں کی مِن وعَن تصدیق کر رہا ہے۔ کمپیوٹر نے چھوٹی سی غلطی بھی پکڑ لی، مگر اصلاح کا موقع نہیں دیا، جبکہ تکریم بنی آدم کی خاطر قیامت کی کتابِ منشور میں اصلاح کا موقع بھی اللہ نے دیا ہے، بلکہ بُرے اعمال کو اچھے اعمال کی شکل دینے کی کمانڈز بھی رکھی گئی ہیں۔ گرفت میں آنے سے پہلے پہلے یعنی دمِ واپسیں سے پہلے پہلے ہر انسان کو بھر پور اختیار دیا گیا ہے۔ کمپیوٹر میں send کمانڈ دبانے سے پہلے سب کچھ کر سکتے ہیں، delete کر سکتے ہیں، change کر سکتے ہیں، shift کر سکتے ہیں، copy کر سکتے ہیں، مگر send بٹن دبانے سے معاملہ آگے چلا جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح جب ملک الموت پہنچ جائے، دمِ واپسیں ہو، آدمی گرفت میں آجائے تو پھر ''کتابِ منشور'' نامۂ اعمال میں تبدیلی ناممکن ہو جاتی ہے۔

دیکھئے نا! بنی اسرائیل کا ۹۹ افراد کا قاتل ایک کم نظر زاہد کے پاس توبہ کی راہ ڈھونڈنے پہنچا وہاں اُسے مایوس کن جواب ملا تو اُس نے سنچری پُوری کر لی، مگر ہاتھ ڈیلیٹ بٹن پر تھا، دل میں ندامت

تھی، کسی نے کہا: ''ماحول بدل! فلاں بستی میں کچھ اللہ والے نیک لوگ رہتے ہیں، مایوس ہونے کی بجائے اُن کی خدمت میں چلے جاؤ، اللہ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں''۔ چل پڑا، راستے میں ملک الموت آ پہنچا، جنت جہنم دونوں کے فرشتے جھگڑنے لگے، مگر فیصلہ اس پر ہوا کہ'' نـأیٰ بـصدره ''یہ سینے کے بل گھسٹ کر بھی ڈیلیٹ بٹن دبانے کی کوشش کر رہا تھا، ہماری رحمت نے اس کو تائب لکھ لیا ہے۔

ستر ہزار جادوگروں اپنے اَن داتا فرعون کے حکم پر کلیم اللہ کا مقابلہ کیا، نبیوں کا مقابلہ کوئی چھوٹی سی غلطی نہیں ہے، مگر احساس ہوا، ہاتھ فوراً ڈیلیٹ بٹن کو گیا، اعلان کر رہے تھے: ''ہم ہارون وموسی علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے''۔ سابقہ گناہ ڈیلیٹ ہوگئے، نیا نامۂ عمل send ہوگیا۔ اللہ کو دو نبیوں کا واسطہ دیا، رحمتِ الٰہی نے دامن تھام لیا، چند منٹوں کی صحبتِ کلیم ایمان ویقین کی آخری منزلوں تک پہنچا گئی، بقول حضرت جھنگوی شہیدؒ چند منٹوں کی صحبتِ کلیم کا رنگ اتنا پختہ تو ۲۳ سال کی صحبتِ حبیب کے کیا کہنے؟ ''صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ''جو کوئی اس رنگ کی پختگی کو نہ مانے وہ خود بدرنگ ہے۔ ہاں! تو گرفت سے پہلے ان ستر ہزار کا رجوع اور توبہ ان کے نامۂ اعمال کے لئے ذریعہ صلاح و فلاح بن گئی، جبکہ فرعون نے بھی کلمۂ توحید پڑھ لیا: ''اٰمَنْتُ أَنَّهُ لَاإِلٰهَ إِلَّاالَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْإِسْرَائِیْلَ وَأَنَامِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ''میں اسی اللہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ مگر حکم ہوا ''آلْئٰنَ؟'' اب ایمان لاتا ہے؟ اب تو گرفت آ چکی: ''أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ''اب تو ملک الموت آ چکا، اب تو send بٹن دب چکا، اب ڈیلیٹ نہیں ہوسکتا، گناہ تو بڑے بڑے بہت ہیں، ماں باپ کو ستانا، چوری، ایذائے مسلم، جھوٹ، قتلِ مسلم اور شرک، رشوت اور سود بھی بدترین گناہ ہیں۔ قتل مسلم پر ابدی جہنم اور شرک ناقابل معافی جرم ہیں، سود پر اللہ اور رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ۔

تمام گناہوں سے بچا جائے، سابقہ پر توبہ، فوراً ڈیلیٹ بٹن دبالیا جائے، خصوصاً قتلِ مسلم، دہشت گردی کے شک میں بھی اجازت نہیں، عدالت فیصلہ کرے گی اور شرک پر تو ابداً قطعاً جہنم کا پروانہ ملنے کا واضح اعلان ہو چکا ہے۔

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے
اکیلا ہی سرِ محشر کھڑا ہوں

☆☆....☆☆

# شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی زندگی

سینیٹر مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو صاحب

مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو صاحب نے یہ مقالہ ڈسٹرکٹ کونسل ہال سکھر میں بتاریخ ۲۱رجنوری ۲۰۱۲ء بمطابق ۲۶رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ بروز ہفتہ جمعیت علماء اسلام ضلع سکھر کی طرف سے منعقد ہونے والے ''شیخ الہند سیمینار'' میں پیش کیا۔ (ادارہ)

بعد از خطبہ مسنونہ!

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو بریلی میں پیدا ہوئے، کیونکہ ان ایام میں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب بریلی میں مقیم تھے، وہ ایک جید عالم تھے۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے، حضرت شیخ الہندؒ کا سلسلۂ نسب امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ سے جاملتا ہے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز چھ سال کی عمر میں ہوا۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں انہوں نے حضرت مولانا عبداللطیف سے پڑھیں۔ ابھی آپ قدوری اور شرح تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دیوبند میں ۱۵رمحرم ۱۲۸۳ھ کو دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، اس مدرسہ کا آغاز دیوبند کی مشہور مسجد چھتہ سے ہوا، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اس مدرسہ کے پہلے طالب علم تھے، ۱۲۸۴ھ میں آپؒ نے کنز الدقائق اور مختصر المعانی کا امتحان دیا، آئندہ سال مشکوٰۃ اور ہدایہ پڑھیں اور ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ کی تکمیل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۹رذوالقعدہ ۱۲۹۰ھ میں آپؒ کے سر پر دستار فضیلت باندھی گئی۔ حدیث میں انہیں حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ آپ جامعِ شریعت و طریقت تھے، حضرت گنگوہیؒ کے بقول آپ علم کا مخزن تھے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کو شیخ العالم کہتے تھے، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ آپ کو شریعت وطریقت کا بادشاہ کہتے تھے اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کو علم شریعت اور طریقت کا بحر بیکراں کہتے تھے۔

بہرحال آپ کو فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی ۱۲۸۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کا معاون مدرس بنادیا گیا تھا، اس وقت آپ کے سپرد ابتدائی تعلیم پڑھانے کا کام کیا گیا تھا، لیکن رفتہ رفتہ آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور آپ اوپر کی کتابیں بھی پڑھانے کے مواقع ملتے گئے۔ ۱۲۹۳ھ میں آپ نے ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ وغیرہ کی تدریس شروع کی پھر ۱۲۹۵ھ میں مسلم شریف اور بخاری شریف بھی پڑھانے لگے، آپ کا حلقۂ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا، دوسرے مدارس کے فارغ شدہ اور بڑے بڑے ذہین طالب علم نہایت مؤدب طریقہ سے حاضر خدمت رہتے اور آپ کمال عزت و وقار سے درس دیتے، حلقہ درس دیکھ کر سلف صالحین و اکابر محدثین کے حلقوں کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا، الحاصل آپ نے چالیس سال تک مسلسل دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا اور زمانہ اسیری مالٹا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی درس دیا اس طرح آپ کا زمانہ تدریس چوالیس سال سے زائد ہوتا ہے، اس عرصہ میں اطراف واکناف عالم میں آپ کے تلامذہ پھیل گئے، جن کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرگئی ہے، آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ جیسے مشاہیر علم وفضل شامل ہیں۔

آپ شروع ہی سے نیک طینت اور نیک فطرت تھے، اس کے ساتھ ساتھ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی محبت اور صحبت اور امام الاولیاء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی توجہات نے آپ کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا تھا، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے آپ کے کمالات علمیہ وروحانیہ سے خوش ہوکر آپ کو دستار خلافت اور اجازت نامہ بیعت عنایت فرمایا تھا اور پھر دربار رشیدی سے بھی آپ کو یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی اور حاصل یہ کہ آپ شریعت، طریقت اور روحانیت کے مجمع البحرین ہی نہیں بلکہ مجمع البحار تھے، آپ اگرچہ اکثر اوقات تعلیم وتعلم اور تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے اوراد و وظائف، ذکر و مراقبہ اور صلوٰۃ اللیل قضا نہیں ہوتے تھے، ہر حال میں، سفر وحضر میں، حتیٰ کہ مالٹا کی طوفانی برف باری

میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہیں آیا تھا، آپ ہر جمعرات کو سبق پڑھا کر گنگوہ تشریف لے جاتے تھے اور جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے پیرومرشد کی صحبت سے فیضیاب ہوکر دیوبند تشریف لاتے تھے:

نہ کتابوں سے نہ مکتب سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں شروع کی گئی تحریک آزادی کے مشن کو آپ نے کافی بڑھایا، آپ نے تحریک کا مرکز کابل کو بنایا اور آپ کی تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہے، آپ بھی کئی دوسرے مسلم اکابرین کی طرح عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے، لیکن اپنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف یہ تحریک بظاہر تو کامیاب نہ ہوسکی لیکن اس نے ہندوپاک کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی روح پھونک دی۔

اس سلسلے میں آپ نے ۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا ۱۳۳۴ھ تک وہاں رہے، ۱۳۳۵ھ کے آغاز میں آپ کو گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا گیا، ۱۳۳۸ھ کو وہاں سے رہا ہوئے اور ہندوستان پہنچے ان دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت کا زور تھا، آپ نے بڑھاپے، نقاہت اور بیماری کے باوجود تحریک میں بھرپور حصہ لیا، مالٹا کی اسیری کے دوران آپ زیادہ بیمار ہو گئے تھے، وطن واپسی پر بھی بیماری میں افاقہ نہ ہوا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے جدوجہد کا راستہ نہیں چھوڑا، آپ کو یاد ہونا چاہئے کہ ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی میں علماء حق کی جس انقلابی جماعت نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اس کے امیر لشکر تھے سید الطائفہ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے میمنہ اور میسرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے، جنہوں نے شاملی، مظفر نگر اور تھانہ بھون کے تاریخی محاذوں پر اپنے ہزاروں تلامذہ اور مریدوں کو لیکر انگریزوں کی فوج کو زبردست ہزیمت پہنچائی تھی، ان خونی معرکوں میں اس مقدس جماعت کے بہت سے مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا اور انگریزوں کے مکمل غلبہ کے بعد ان میں سے بہت بڑی تعداد کو پھانسی کے پھندے یا حبس دوام کی سزائیں دی گئیں، قائد جماعت حضرت حاجی صاحبؒ چھپتے چھپاتے حجاز مقدس کو ہجرت کر گئے، حضرت نانوتویؒ روپوش ہوکر مدرسوں کے جال پھیلانے میں لگ گئے اور انگریزوں کی سی آئی ڈی شب وروز ان کو تلاش کرتی رہی، حضرت گنگوہیؒ چھ ماہ کی قید وبند کے بعد رہا ہوکر بظاہر اپنی خانقاہ میں گوشہ نشیں ہو گئے، مگر حقیقت میں وہ انتہائی خفیہ طور پر آزادئ وطن کے لئے اپنے متوسلین کو تربیت دینے میں لگ گئے۔

علماء کرام اور بزرگان دین کی یہ تحریک بظاہر ناکام رہی مگر ان کی مخلصانہ قربانیوں کے مسلم معاشرے پر زبردست اثرات مرتب ہوئے، ان شہداء اور مجاہدین کے علمی، فکری اور روحانی

خانوادے کے لاکھوں افراد کے سینے میں وطن کی آزادی اور اپنے بزرگوں کے انتقام کے لئے جو بے پناہ جذبات اور ولولے پل رہے تھے وہ کوئی معمولی سی چنگاری کی شکل میں نہیں تھے، بلکہ وہ زبردست آتش فشاں تھے، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے ایسے منظور نظر شاگرد تھے جن کی شخصیت میں ان بزرگوں کو اپنے خوابوں کی تعبیر نظر آرہی تھی، اس لئے انہوں نے ان کی تعلیم وتربیت کچھ اس شان سے انجام دی کہ اپنے دل ودماغ کی ساری کیفیات اور پاکیزہ جذبات کو ان کے سینے میں پیوست کردیا، ادھر حجاز مقدس سے ان کے روحانی مربی ومرشد اور اپنے عہد کے مستجاب الدعوات بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ بھی اپنی دعاؤں کے ساتھ ان کو اپنی قربانیوں کا مشن یاددلاتے رہے۔

اس طرح شیخ الہند کے لاشعور میں یہ بات رچ بس گئی تھی کہ اخلاص وللّٰہیت اور ایثار وقربانی کے یہ ہمالیائی پیکر جن سے بہتر لوگ شاید اس وقت اس روئے زمین پر کہیں نہیں ہونگے انہوں نے اپنے وطن کی آزادی کے لئے اس شان کی قربانیاں دی ہیں کہ اپنی زندگی کی ساری متاع عزیز کو وطن کی نذر کر کے خود جلاوطنی یاروپوشی کی زندگی گزاررہے ہیں، ایسے بے لوث اور بے پناہ استادوں اور مربیوں کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت نے حضرت شیخ الہند کو لیلائے آزادی کا ایسا دیوانہ بنادیا تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ بنادیا تھا کہ ہر حال میں وطن کو فرنگی سے آزاد کروانا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کی زندگی کے حالات اور واقعات کا مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر خالق حیات وممات ان کو سو بار زندگی دیتا تو وہ ہر بار اس کو آزادی وطن کی نذر کردیتے اور پھر بھی ان کے دل میں یہ حسرت باقی رہ جاتی کہ:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت شیخ الہندؒ کے اساتذہ کا تعلق، علمی، فکری، تعلیمی اور اعتقادی حیثیت سے دبستان ولی اللّٰہی سے جڑا ہوا ہے، جس کی زریں تاریخ عظمت وعزیمت کی اعلیٰ ترین قدروں اور آزادی وطن کیلئے بے لوث قربانیوں کی خونچکاں داستانوں سے لالہ زار ہے، ۱۸۰۳ء سے ۱۸۵۷ء تک نصف صدی کی تاریخ اس مقدس دبستان کی عظمت وعزیمت، اولوالعزمی، بلند ہمتی، روشن دماغی اور اعلیٰ حوصلگی، غیر متزلزل ایمان ویقین، ناقابل تسخیر ہمت وجرأت، عزم وارادے کا استحکام، جہد وعمل کا استقلال، بے ریا اخلاص وللّٰہیت، بے دریغ ایثار وقربانی، بے پناہ جانبازی وسرفروشی، اپنے دین، اپنی قوم، اپنی ملت اور اپنے وطن سے قابل رشک محبت کی ہزاروں داستانوں سے اس طرح مزین ہے، جیسے گلہائے رنگا رنگ کا کوئی حسین ترین گلدستہ ہو یا آسمان کی پیشانی پر کوئی چمکتی ہوئی کہکشاں ہو۔

۱۸۰۳ء میں برصغیر کے امام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی اور پھر ان کے جلیل القدر صاحبزادے اور شاگرد امام حریت سیدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کا انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ، ۱۸۳۶ء میں ان کے شاگردوں سید احمد شہید بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ وغیرہم کا بالاکوٹ کے میدان میں جہاد اور شہادت پھر علماء صادق پور کا خونی جہاد، ۱۸۱۳ء سے ۱۸۵۷ء تک اس دبستان کے مقدس بزرگوں کی انگریزوں کے خلاف مسلسل بغاوت جو ۱۸۵۷ء میں لاکھوں انسانوں کی قربانی پر تمام ہوئی، جن میں صرف علماء کرام کی تعداد تقریباً باون ہزار بتلائی جاتی ہے، جہاد حریت وطن کے ایسے خونچکاں ماحول میں حضرت شیخ الہندؒ نے جنم لیا اور جن ارباب عزیمت اساتذہ سے تعلیم وتربیت پائی وہ اسی دبستان ولی اللّٰہی کے نمائندے تھے، جن کی حق گوئی و بے باکی، اخلاص وللّٰہیت اور حب الوطنی ضرب المثل بن چکی تھی۔

تاریخ عالم کی نگاہوں نے ایسے عزیمت کے مناظر کم ہی دیکھے ہوں گے کہ ایک مرد قلندر اور فقیر بے نوا اسباب ووسائل سے محروم ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک دینی مدرسہ کی ٹوٹی ہوئی چٹائی اور پھٹے پرانے ٹاٹ پر بیٹھ کر مدرسہ کے چند غریب طلبا میں اس عزم وحوصلے اور جرات وولولے کا صور پھونک رہا ہے کہ اپنے وقت کی سب سے بڑی سپر پاور ''گریٹ برطانیہ'' کا مقابلہ کرنے اور اس کو شکست دینے کا جذبہ پیدا کر رہا ہے اور ان کو ذہنی طور پر تیار کر رہا ہے کہ آپ نے اس کے اقتدار کے سورج کو اپنے انہیں ناتواں ہاتھوں سے سمندر میں غرق کرنا ہے، حضرت شیخ الہندؒ کے ان ہزاروں بوریہ نشیں شاگردوں میں سے جن چند نے دریاؤں کے رخ کو موڑ کر ایک نیا انقلاب برپا کیا وہ ہیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، بطل جلیل حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین مراد آبادیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ وغیرہم۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے لائق تلامذہ کے تعاون سے اس وقت کے مسلم معاشرے کی ان عظیم شخصیات کے دل ودماغ میں بھی جہاد کی روح پھونک دی جو اپنے عہد میں مسلم سماج کے مکھن تھے اور جن کی قیادت میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو اپنی آزادی کی جنگ جیتنا مقدر کر دی تھی، ان ہزاروں مسلم مجاہدین میں سے جنہیں شیخ الہندؒ اور ان کے تلامذہ کی تربیت ملی تھی ان میں سے یہ چند نام بطور خاص قابل ذکر ہیں، مولانا عبدالباری لکھنویؒ، حکیم محمد اجمل خانؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، نواب وقار الملکؒ، خان عبدالغفار خانؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا فاخرالہ آبادیؒ وغیرہ ہم، ان کے علاوہ کافی تعداد میں غیر مسلم بھی آپ کی تحریک سے وابستہ

تھے، جیسے جلاوطن آزاد ہند حکومت کے صدر راجہ مہندر پرتاب اور آزادی ہند کے رہنما گاندھی جی اور ان کے بہت سے ساتھی حضرت شیخ الہند کے تربیت یافتہ تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے شاگردوں، مریدوں اور معتقدوں کو لے کر اپنے اسلاف کے نقش قدم پر مسلح بغاوت اور ایک خونریز انقلاب کی ہمہ گیر اسکیم تیار کی تھی جس کے لئے انہوں نے ۱۸۷۹ء سے سرگرم کوشش شروع کر دی تھی، لیکن انتہائی خفیہ اور بڑی خاموشی کے ساتھ تاکہ اس کی ہلکی سی بھنک بھی انگریزوں کو نہ لگ سکے ورنہ وہ دارالعلوم دیوبند کو بند کرادیں گے، جو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور مجاہدین آزادی کی تربیت کا واحد مرکز تھا، لیکن ۱۹۱۶ء میں حضرت شیخ الہند نے یہ اعلان کر کے سارے لوگوں کو چونکا دیا کہ دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۶ء میں قائم ہوا تھا، اب ۱۹۱۶ء شروع ہو چکا ہے، یعنی آج دارالعلوم دیوبند کے قیام کو پورے پچاس سال ہو گئے، ہمارے استاذ محترم حضرت نانوتویؒ نے اس کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے دعا فرمائی تھی کہ: ''رب العالمین تحریک تحفظ اسلام کے اس نوزائیدہ مرکز کی صرف پچاس سال حفاظت فرمادے تو پھر یہ تحریک دنیا بھر میں اپنی جگہ آپ پیدا کر لے گی۔'' اب اس کے قیام کو پچاس برس ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے استاذ مرحوم کی دعا سن لی اب مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ دارالعلوم کے درودیوار اب رہیں گے یا اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی، لیکن وطن کی آزادی جس کے لئے ہمارے اساتذہ نے بیش بہا قربانیاں دی ہیں جو کہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اور ان کی آنکھوں کا سب سے بڑا حسین خواب تھا، اب اس کی تعبیر تلاش کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

اب یہ ہماری سب سے اہم اور سب سے پہلی ذمہ داری ہے، جس کو اب بالکل مؤخر نہیں کیا جا سکتا اور پھر سب سے پہلے انہوں نے اپنے شاگردوں اور معتقدوں کی ایک ٹیم کو افغانستان روانہ کیا اس ہدایت کے ساتھ کہ وہاں جا کر ایک جلاوطن آزاد ہند حکومت قائم کریں، جس کے لئے افراد واسباب اور وسائل وحالات حضرت شیخ الہندؒ خود تیار کرا چکے تھے، آزاد ہند حکومت کے روح رواں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ہم یہ سمجھ کر افغانستان گئے تھے کہ ہمیں برسوں اپنے مشن کیلئے ماحول بنانا پڑے گا لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی تقریباً چالیس سالہ کوششوں کا ثمرہ ہمارے سامنے تھا جو خود اپنے کچھ معتمد رفقاء کو لے کر حجاز مقدس روانہ ہو گئے تھے، جہاں خلافت عثمانیہ ترکی کے اہم ذمہ داران سے ملاقات کر کے ان کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنا تھا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کر دیں اور دوسری طرف سے افغانستان میں جو ہماری جلاوطن حکومت ہے وہ بھی افغانستان اور سرحد کے لوگوں کو لے کر ہندوستان پر حملہ کرے اور افغانستان کے راستہ سے بیرونی مدد اور سامان رسد بھی ترکی فوجوں کو پہنچائے اور اندرون ملک بھی بہت توسیع پیمانے پر اور بہت منظم نظام تیار تھا جو حملہ ہونے کی صورت میں انگریزی

حکومت سے بغاوت اوراس کی فوجوں سے مزاحمت کرے اورحملہ آورفوجوں کی رسد، کمک، افراداور ہرطرح سے معاونت کرے، اس طرح ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگایا جائے، حجاز مقدس میں ترکی کے تمام اہم ذمہ داروں سے حضرت شیخ الہند کی بات مکمل ہوگئی اوران کے مجوزہ پلان پرعمل درآمد کیلئے خلافت عثمانیہ ترکی بالکل آمادہ ہوگئی، حضرت شیخ الہند نے ہندوستان اورافغانستان میں متعین اپنے انقلابیوں کے نام، بغاوت کی پوری اسکیم اوراس کے احکامات نیز خلافت عثمانیہ کے سب سے اہم ذمہ داراورحجاز مقدس کے گورنر غالب پاشا کے وہ وثیقے جس میں انہوں نے حضرت شیخ الہند کی تائیدوحمایت اورانہیں ہرطرح کے تعاون اورامداد دینے کیلئے خلافت عثمانیہ کے تمام ملازمین متعلقین اورذمہ داروں کے نام اردو، عربی اورترکی تینوں زبانوں میں لکھ کر دیا تھا۔

ان تمام خطوط کو اپنے ایک معتمد شاگرد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے ساتھ لکڑی کے ایک بکس کے دوتختوں کے بیچ میں رکھ کراس طرح کیلوں سے جام کر دیا تھا کہ اس کا کسی کو احساس بھی نہ ہو، جن خطوط کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ریشمی رومالوں پرنقل کر کے افغانستان، یاغستان، آزاد قبائل اور ہندوستان کے ان تمام علاقوں میں جہاں جہاں اس تحریک کے رہنما متعین تھے، ان کے پاس بھجوادیئے تھے تاکہ ہرانقلابی اپنے تحریک کے احکامات اورمسائل سے باخبررہے اور خودحضرت شیخ الہندؒ نے ترکی جانے کا پروگرام بنایا تھا، جہاں سے انہیں پوری بغاوت کی قیادت کرنا تھی، ابھی جہاز کی روانگی میں ایک دودن کی تاخیرتھی، اس درمیان شریف مکہ نے انگریزوں سے مل کر خلافت عثمانیہ سے بغاوت کردی اورحضرت شیخ الہند کو ان کے چار رفقاء کے ساتھ گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کردیا، انگریزوں نے اپنی فوجی عدالت میں ان پرمقدمہ چلایا اور پوری کوشش کی کہ ان کواوران کے رفقاء کوبغاوت کا مجرم ثابت کر کے پھانسی کے پھندے پرلٹکا دیا جائے مگرقدرت مددگارتھی، حضرت شیخ الہند کی تحریک اس قدرخفیہ رہی کہ انگریزوں کو کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوسکا، اس لئے ان لوگوں کوجزیرہ مالٹا میں قید کردیا گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی صحت پہلے ہی سے خراب تھی اب کالا پانی کی اذیت ناک قید نے ان کی صحت کو بالکل تباہ کر دیا، تین سال اورسات ماہ کی اذیت ناک قید کے بعد۱۹۲۰ء میں اس نحیف وکمزور بوڑھے مجاہد کوان کے رفقاء کے ساتھ بمبئی لاکرآزادکر دیا گیا، جہاں ہزاروں کی تعداد میں بمبئی کے مسلمانوں نے اپنے اس عظیم قائد کا استقبال کیا اورشیخ الہند زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضاء آسمانی گونج اٹھی۔

خلافت کمیٹی بمبئی کے قائدین نے ایک شاندار استقبالیہ تقریب کا انعقادکیا، جس میں خلافت کمیٹی بمبئی کے تقریباً تمام اہم ذمہ داروں نے شرکت کی، مسلمانوں کے اس اہم نمائندہ اجتماع سے

خطاب کرتے ہوئے، حضرت شیخ الہندؒ نے جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ بہت ہی خاص اور توجہ کے قابل ہیں، آپ نے فرمایا کہ: ''استخلاص وطن کی جنگ اب تک مسلمان تنہا لڑ رہے تھے، تقریباً سوا سو برس سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہندوستانی مسلمانوں خصوصاً علماء حق نے بیش بہا قربانیاں پیش کیں، تشدد، خونریزی اور بغاوت کے راستے اختیار کئے دیگر ممالک سے تعاون لے کر ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگانے کی اسکیمیں تیار کیں مگر افسوس کہ ہماری ہر کوشش ناکام رہی، اس لئے بہت غور و فکر کے بعد اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اب آزادی وطن کی جنگ میں اپنے برادران وطن کو بھی شریک کیا جائے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام مذاہب کا یکساں احترام کیا جائے، کسی کے مذہبی امور میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے اور تشدد کی راہ چھوڑ کر عدم تشدد کا راستہ اپنایا جائے، فرنگی سے عدم تعاون اور ترک موالات کو بنیاد بنا کر آزادی کی جنگ شروع کی جائے، اب کامیابی کی یہی ایک صورت نظر آتی ہے۔''

ہندوستان کے علماء حق نے جو مسلسل سوا سو برسوں سے انگریزوں کے مقابل برسر پیکار تھے اور اب تک آزادی وطن کے لئے پانچ راؤنڈ انتہائی خوفناک جنگیں لڑ چکے تھے، جن میں اپنی لاکھوں قیمتی جانوں کو ملک وملت کی نذر کر چکے تھے، اب حضرت شیخ الہندؒ کے ان رہنماء اصولوں کی روشنی میں عدم تشدد، عدم تعاون، ترک موالات اور مذہبی اتحاد کو بنیاد بنا کر ۱۹۲۰ء میں آزادئ وطن کے لئے چھٹے اور فیصلہ کن راؤنڈ کا آغاز کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ ۱۹۲۰ء میں مالٹا کی قید سے رہا ہو کر ہندوستان تشریف لائے تو اس قدر نحیف ونزار ہو چکے تھے کہ اب ان میں چلنے پھرنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی، لیکن وہ اپنی جدوجہد سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے، طلباء، علماء، مریدین ومجاہدین کی تعلیم وتربیت کے لئے جگر سوز جدوجہد کے علاوہ شب وروز کی جان گسل عبادت وریاضت نے انہیں اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ وہ مالٹا سے واپسی کے بعد صرف پانچ ماہ کے اندر ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، صرف پانچ ماہ کی قلیل مدت میں اتنی شدید ترین علالت اور جسمانی نقاہت کے باوجود جبکہ آپ کا چراغ زندگی امراض وآزار کی تیز وتند آندھیوں سے اپنے بقا کی آخری جنگ لڑ رہا تھا، آپ نے کئی ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے، جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۱:... آپ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے پورے ملک میں ہونے والی منتشر کوششوں کو بڑی خوبصورتی سے منظم ومربوط کر دیا۔

۲:... شکوک وشبہات اور مذہبی وعلاقائی تعصبات کی آگ میں جھلستے ہوئے قومی اتحاد کو ایک نئی زندگی بخشی۔

۳:...اخوت و بھائی چارگی کے لئے ترستی ہوئی ہندوستانی فضا کو محبت کا ماحول فراہم کیا اور اس مبارک اتحاد کو حصول آزادی کے لئے سب سے کامیاب ہتھیار قرار دیا، اپنے وصال سے صرف ایک ہفتہ پیشتر ۱۹، ۲۰، ۲۱ رنومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں منعقدہ جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے کل ہند عظیم الشان اجلاس عام کی صدارت فرماتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں انہوں نے قومی اتحاد پر بے انتہا زور دیا اور اس مختصر سے عرصہ میں جو پیش رفت ہوئی تھی اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے ہندو، مسلم دونوں کو اس پر مبارک باد بھی دی اور ساتھ ہی بڑے موثر انداز میں اس بات کا احساس بھی دلایا کہ اس پیش رفت کے باوجود ابھی منزل بہت دور ہے اور ہمارا دشمن کسی بھی وقت اس کو برباد کرسکتا ہے، اس لئے اس کی طرف سے ذرا بھی غفلت نہیں ہونی چاہئے۔

آپ اپنے خطبۂ صدارت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:''اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہم وطنوں کو اس پاک مقصد، یعنی حصول آزادی میں آپ کا مؤید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں کے اتحاد کو بہت مفید اور ضروری سمجھتا ہوں، حالات کی نزاکت کے تحت جو کوشش اس اتحاد کے سلسلے میں فریقین نے کی ہے، اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر صورت حال اس سے مختلف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ناممکن بنا دے گی اور ظالم حکومت کا پنجہ روز بروز اپنی گرفت سخت کرتا رہے گا۔ اگر ہندوستان کی آبادی کے کل عناصر صلح و محبت سے رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ اور کوئی فوج چاہے وہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو اپنے ظلم و جبر سے اس کو شکست دے سکے، ہاں میں اس سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور پھر کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ صلح و آشتی کی فضاء کو خوشگوار رکھنا چاہتے ہیں تو پھر اس کی حدود کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے، جس کی صورت اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ اپنے وطن کے کسی فریق کے مذہبی امور میں کوئی فریق مداخلت نہ کرے اور ہرگز کوئی ایسا طریقہ کار اختیار نہ کرے جس سے کسی مذہب کے ماننے والے کی دل آزاری ہو، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب تک بہت سی جگہ اس کے خلاف ہوتا رہا ہے اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے ماننے والے ایذا رسانی پر عمل کرتے رہے ہیں، میں اس وقت خاص طور پر قوموں کے سربراہوں سے مخاطب ہوں کہ وہ ریزولیشن اور تجاویز پاس کر کے یہ نہ سوچ لیں کہ اور تمام مرحلے طے ہو گئے، یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے، بلکہ انہیں عمل سے تمام ملک کی قوموں کے افراد کے درمیان اتحاد کی کوشش کرنی چاہئے، ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی یہ کوششیں جو انگریزوں کی نظر میں دونوں کے اعتبار کو ساقط کرتی ہیں حصول آزادی کے حق میں سم قاتل ہیں، اس طریقے سے نہ صرف ملک کی تمام اقوام کا عظیم نقصان ہے بلکہ حصول آزادی کی راہیں بالکل مسدود ہو کر رہ جائیں گی، میں ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان صلح و آشتی نہایت ضروری ہے، مجھے امید ہے کہ آپ

حضرات میرے اس مشورے کو صرف سرسری نہیں لیں گے بلکہ سوچ سمجھ کر دل کے خلوص سے ان باتوں کا عملی اقرار کریں گے۔''

۴:... ملی اتحاد کے لئے بھی آپ کی مساعی جلیلہ ناقابل فراموش ہیں، ملت اسلامیہ ہند جو اختلاف وانتشار کے بہت سارے خانوں میں بٹی ہوئی تھی اس میں ایک زبردست تقسیم قدیم وجدید تعلیم یافتہ طبقات میں تھی اور یہ دونوں طبقات ایک دوسرے سے اس قدر دور تھے کہ ان کے قریب ہونے کا تصور بھی محال تھا، قدیم تعلیم یافتہ طبقہ جدید تعلیم والوں کو مسلمان یا اسلام کا وفادار ماننے کو تیار نہیں تھا تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ علماء قدیم کو عقل وانسانیت سے عاری اور زمانے کے نشیب وفراز سے بے بہرہ اور وحشی تصور کرتا تھا، حضرت شیخ الہندؒ نے دونوں کو بہت قریب کیا، ایک طرف جدید علوم والوں میں خدا پرستی اور دین داری کی روح پھونکی تو دوسری طرف انگریزی تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کا احساس دلاکر علماء قدیم کی اس سے وحشت کو کافی کم کیا، اس لئے جہاں ان کے مریدوں اور معتقدوں میں علماء قدیم کا ایک جم غفیر دکھائی دیتا ہے وہیں ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم محمد اجمل خان، نواب وقار الملک، مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان وغیرہ جیسے سینکڑوں جدید تعلیم یافتہ مسلمان بھی آپ کے گرد سمٹ کر آگئے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی شہ پر کچھ شاگردوں اور مریدوں نے مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک قومی یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے قائم کرنے کا پروگرام بنایا تو اس کے افتتاح کے لئے اپنے مرشد ومربی حضرت شیخ الہندؒ کو دعوت دی، ان دنوں آپ کی طبیعت بہت خراب تھی، چنانچہ آپ کے تمام احباب نے آپ کو علیگڑھ نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے فرمایا کہ: ''اگر میرے جانے سے انگریز کو تکلیف پہنچتی ہے تو میں ضرور جاؤں گا۔'' چنانچہ آپ کو پالکی میں لٹا کر دارالعلوم دیوبند کے طلبا نے اٹھایا اور اس حال میں آپ نے دیوبند سے علیگڑھ کا سفر کیا، نقاہت کی وجہ سے آپ اپنی تحریر کردہ تقریر پڑھ نہیں سکتے تھے، اس لیے آپ نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حکم کیا، انہوں نے آپ کی وہ تقریر وہاں پر پڑھی، آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں ارشاد فرمایا کہ:

> ''اے نونہالان وطن! میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی جس کے غم میں میری ہڈیاں پگھلتی جارہی ہیں وہ تمہارے اتحاد کے بغیر ناممکن ہے، اس جدوجہد کو مدرسوں اور خانقاہوں کے علاوہ اسکولوں اور کالجوں میں بھی شروع کیا جائے گا تب ہی منزل مل سکے گی، اسی لئے میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علیگڑھ کی طرف بڑھایا ہے اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو اہم تاریخی مقامات دیوبند اور علیگڑھ کا رشتہ جوڑا ہے۔''

۵:... ۱۹؍جولائی ۱۹۲۰ء کو خلافت کمیٹی بمبئی کے استفسار پر انگریزوں سے عدم تعاون اور ترک موالات کا فتویٰ دیا، جس سے انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کا ذہن اس قدر بدلا کہ انگریزوں کی نوکری اور ان کے عطا کردہ وظائف واعزازات اور القاب وخطابات کو لوگ عزت کے بجائے حقارت سے دیکھنے لگے، پھر ۱۹؍اکتوبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک عظیم الشان اجلاس بلا کر انگریزوں سے مکمل عدم تعاون اور ترک موالات کی تجویز منظور کرائی اور اسی اجلاس میں ترک موالات کو ایک تحریک کی شکل دے کر اس کے رہنما اصولوں کی خود ہی نشاندہی فرمائی اور تقریباً چار سو مستند اور معتبر علماء اسلام کے دستخط سے ایک فتویٰ جاری کرایا، جس میں انگریزوں سے کسی بھی طرح کے تعاون کو مطلق حرام قرار دے دیا گیا۔

اس فتویٰ پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی بھی ایک بڑی تعداد نے عمل کیا، ہزاروں ہندوستانی فوجیوں اور دیگر سرکاری ملازموں نے اپنی اپنی نوکریوں سے استعفیٰ دے دیا، جس سے جہاد آزادی وطن کی تحریک کو زبردست غذا ملی، آزادی وطن کی جدوجہد جو ابھی تک خفیہ اور بہت محدود دائرہ میں تھی، جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور انگریزوں سے نفرت ایک جنون کی شکل اختیار کرگئی، دراصل حضرت شیخ الہند کی تحریک ترک موالات اور عدم تعاون اتنی کارگر ثابت ہوئی کہ صرف ۲۶ سال کے قلیل عرصہ میں برطانوی اقتدار کے غرور ونخوت کے سورج کو ہندوستان کے بوریہ نشین فقیروں نے بحر ہند میں بڑی حقارت وذلت کے ساتھ غرق کردیا، حضرت شیخ الہندؒ اب اپنا مشن پورا کرچکے تھے، اپنی چالیس پچاس سال کی انتہائی خفیہ اور خاموش جہد مسلسل کے ذریعہ جہاد آزادی وطن کے لئے افراد واسباب کے سلسلے کی ساری تیاریاں مکمل کرچکے تھے، اب ضرورت رہ گئی تھی صرف ایک ایسے تابوت کی جس میں رکھ کر برٹش امپائر کے جنازے کو غرقاب کیا جاسکے، سو اس کا بھی انتظام حضرت نے خود ہی کردیا یعنی تحریک ترک موالات وعدم تعاون نے انگریز سرکار کے لئے تابوت کا کام کیا جس کو پورے ملک نے ہاتھ لگا کر سات سمندر پار پھینک دیا، وہ خوفناک عفریت جو ان کی ذلت ونکبت اور افلاس وغربت کا باعث بنا ہوا تھا، جو ان کے گلے میں غلامی کی زنجیر، ہاتھوں میں ظلم وتعدی کی ہتھکڑیاں اور پیروں میں بے کسی اور بے چارگی کی بیڑیاں ڈالے ہوئے تھا۔

۳۰؍نومبر ۱۹۲۰ء مطابق ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی کے علاقے دریا گنج میں اپنے ایک معتقد معالج اور جہاد آزادی وطن کی ٹیم کے ایک بہت ہی سرکردہ رہنما مرحوم ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی کوٹھی میں علم وعمل، ایمان ویقین، عزم وحوصلہ، ہمت وشجاعت اور ایثار وقربانی کا یہ نیر تاباں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا لیکن اس کی ہزاروں کرنیں انسانیت کی تمام تر اعلیٰ اخلاقی اور عملی قدروں کا نور اکناف عالم میں بکھیر رہی ہیں۔

میرے محترم دوستو! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان میں اس وقت ہمارے اکابر علماء کرام عدم تشدد کی جس پالیسی پر چل رہے ہیں، یہ پالیسی حضرت شیخ الہندؒ ہی کی پالیسی ہے، اگر آج ہم فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف سد سکندری بنے ہوئے ہیں تو یہ بھی حضرت شیخ الہندؒ ہی کا سبق ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ پاکستان کو انگریزوں کی روحانی اولاد سے نجات دلائی جائے تو اس کے لئے آپ کو وہی نسخہ استعمال کرنا پڑے گا جو خود حضرت شیخ الہندؒ نے انگریز کو بھگانے کے لئے استعمال کیا تھا۔ آخر میں یہ بات بھی ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دیوبندیت کسی نئے فرقے یا نئے مذہب کا نام نہیں، حقیقت میں دیوبندیت اللہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ احکامات کو حقیقی معنوں میں عوام الناس تک پہنچانے کا نام ہے، علم کا پہلا بین الاقوامی مرکز خاتم النبیین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قائم فرمایا تھا، جب مکے والوں نے قدر نہ کی تو یہ علمی مرکز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ساتھ مدینہ منورہ منتقل ہوگیا اور پھر چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس علمی مرکز کو مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا، کافی عرصے تک یہ مرکز کوفہ میں رہا، لیکن آگے چل کر علم وحکمت کا یہ بین الاقوامی مرکز کوفہ سے دمشق، اور پھر دمشق سے بغداد اور اس کے بعد بغداد سے سمرقند اور بخارا کی طرف منتقل ہوگیا اور اس کے بعد سمرقند اور بخارا سے یہ مرکز دہلی منتقل ہوگیا اور جب دہلی پر زوال آیا تو یہ مرکز دیوبند منتقل ہوگیا اور الحمد للہ اب تک دیوبند سے علم وحکمت کی شعاعیں پورے عالم کو منور کررہی ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اکابر اور اسلاف کے نقش قدم پر چلیں اور پورے اطمینان کے ساتھ ان پر اعتماد کریں، نئے نئے نعروں اور نئے نئے فتنوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، گاڑی کا ڈبہ چاہے کتنا ہی بیکار کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ انجن سے جڑا ہوا ہے تو وہ منزل تک ضرور پہنچے گا، جہاں انجن جائے گی وہاں وہ ڈبہ بھی ضرور جائے گا، اسی لئے فرمایا گیا کہ: ”المرء مع من احب“ یعنی جس کی جس کے ساتھ محبت ہوگی، قیامت میں وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں اخلاص اور استقامت عطا فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے بڑوں کا ادب اور احترام نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆....☆☆

# سرسیّد کی تفسیر کا علمی جائزہ

مفتی سمیع الرحمٰن صاحب،استاذ جامعہ فاروقیہ،کراچی

سرسیّد احمد خان ۱۱؍اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی کے ایک سادات خاندان میں پیدا ہوئے،جو شاہجہاں کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آکر بسا تھا اور سلاطین مغلیہ کے تحت کئی مناصب پر فائز رہا۔سرسید کی ابتدائی تعلیم والدہ کی زیرنگرانی قدیم طرز پر ہوئی،دینی تعلیم کے لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ اور مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے زانوئے تلمذ طے (تہہ) کئے،لیکن یہ سلسلہ متوسط کتابوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔۲۲ سال کی عمر میں تھے کہ والد محترم سید متقی داغِ مفارقت دے گئے۔سید صاحب کسبِ معاش کے سلسلے میں اپنے خالو خلیل اللہ خان سے صدر امین دہلی میں عدالت کا کام سیکھ کر ملازم ہوگئے،پھر کچھ عرصہ کمشنر آگرہ کے دفتر میں نائب منشی کی کرسی پر براجمان رہے،اسی دوران مختاری کا امتحان دے کر دسمبر ۱۸۴۱ء منصفی کا چارج سنبھال لیا،یوں درجہ بدرجہ ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے عدالت میں جج کے عہدے پر فائز ہوگئے۔

حکومت برطانیہ کے نمک حلال رہے،ان کی ہر ادا پر دل وجان سے فدا تھے،جب ۱۸۵۷ء میں ''جہادِحریت'' کا معرکہ گرم ہوا تو سرسید نے اپنے انگریز محسنوں کی جان ومال اور اقتدار کے تحفظ کے لئے ہراول دستے کا کردار ادا کیا اور مقدس جہاد کو بغاوت کا نام دے کر مجاہدینِ اسلام کی کردارکشی کا فریضہ بڑی تندہی سے انجام دیا۔حکومت برطانیہ نے حسنِ خدمت کے صلے میں hb،sir (شاہی مشیر) اور kc (ہندوستان میں امن کا جج) کے خطابات دینے کے علاوہ دوپشتوں تک دوسو ماہانہ شاہی وظیفہ جاری کردیا۔سرکاری ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد زندگی کی تمام توانائیاں علی گڑھ یونیورسٹی کی ترقی کے لئے وقف کردیں۔عمر کے آخری حصہ میں ان کے روشن خیال صاحبزادے سید محمود جو شراب کے رسیا تھے،انہیں گھر سے باہر نکال

دیا، بالآخر ایک دوست کے ہاں پناہ لی اور اسی کے گھر سے ۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء کو ان کا جنازہ نکلا۔

### ''تفسیر القرآن'' لکھنے کا پس منظر:

سرسید صاحب نے جس مسلمان معاشرے میں آنکھیں کھولیں، وہاں سیاسی اور اخلاقی انحطاط کے پہلو بہ پہلو عقل پرستی کی موجیں آب وتاب کے ساتھ رواں تھیں، مغرب کا فلسفۂ عقل دینی عقائد اور الٰہیات میں دخیل ہوکر مسلمانوں کے نظریات پر براہِ راست حملہ آور تھا، اس نازک صورتحال سے نکلنے کے دو راستے تھے:

۱......: ایک یہ کہ عقلی مکر کو چیلنج کیا جائے، کیونکہ وہ انتہائی کمزور بنیادوں پر قائم ہے، اس کا دائرہ کار حواسِ خمسہ اور تجربات تک محدود ہے، اسے کسی طرح وحی میں دخل اندازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

۲......: دوسرا یہ کہ ان عقل پرستانہ افکار ونظریات کو جوں کا توں اپنا کر دینی عقائد کے پورے ڈھانچے کو توڑ موڑ کر اس پیانے میں ڈھال لیا جائے۔

سرسید نے معتزلہ کی روش اختیار کرتے ہوئے اسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا، چنانچہ ان کا دعوی تھا:

> ''جس مجموعہ مسائل واحکام واعتقادات وغیرہ پر فی زمانہ اسلام کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے، وہ یقیناً مغربی علوم (عقلیہ) کے مقابلے میں قائم نہیں رہ سکتا''۔ (۱)

مغربی علوم عقلیہ کے مقابلے میں اسلامی عقائد ومسائل کو زندہ جاوید رکھنے کی کیا صورت ہے؟ اس کا حل تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یا تو ہم علوم جدیدہ کو باطل ثابت کریں یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر کے دکھائیں''۔ (۲)

موصوف دین اسلام کی بقا اور امت مسلمہ کی طرف سے یہ بھاری فرض چکانے کے لئے اٹھے اور اس کی ابتداء قرآن کریم کی تفسیر سے کی، یہ تھا تفسیر کا اصل محرک اور پسِ منظر۔ لیکن صد افسوس! اس تفسیر میں علوم جدیدہ کو تو مشرف بہ اسلام نہ کر سکے، البتہ دینی عقائد ومباحث کو تحریف وتاویل کے تمام زاویوں سے گزار کر علوم عقلیہ کے مطابق کرنے کے تمام جوہر دکھائے، اس لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ سرسید صاحب کی مسلمان قوم سے ہمدردی اور غم خواری کی مثال بالکل اس بوڑھی خاتون کی طرح تھی، جس نے ایک باز کے بال و پر اس جذبۂ ہمدردی میں تراش دیئے تھے کہ یہ اسے اذیت پہنچاتے ہوں گے۔

## تفسیر القرآن کا علمی جائزہ:

سرسید صاحب کی تفسیر ''تفسیر القرآن'' کا نیا ایڈیشن ۱۹۹۸ء کا مطبوعہ ہمارے سامنے ہے، سولہ پاروں، سات حصوں، ایک ہزار تین سو اٹھاسی صفحات پر مشتمل، ایک ضخیم جلد کی صورت میں لاہور کے معروف طباعتی ادارے ''دوست ایسوسی ایٹس'' نے شائع کیا ہے۔

ترجمہ کے متعلق مولانا عبدالحق حقانیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ ہے جو ذرا بدل کر لکھ دیا گیا ہے (۳)۔ سولہ پاروں کی اس تفسیر میں دینی عقائد کے بیشتر مباحث آگئے ہیں، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آثارِ صحابہ کرامؓ کو نظرانداز کرکے تورات وانجیل کو ان پر ترجیح دی گئی ہے، کیونکہ ان کے بقول یہ کتابیں محرف شدہ نہیں ہیں، چنانچہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اگرچہ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کی ہے اور نہ علمائے متقدمین ومحققین اس بات کے قائل تھے''۔ (۴)

شاید اس طرزِ عمل کو دیکھ کر سرسید کے ایک پرانے رفیق نواب محسن الملک سید مہدی علی خان نے انہیں ''چھپا پادری'' قرار دیا (۵) دعویٰ پر دعویٰ باندھتے چلے جاتے ہیں، لیکن دلائل کی وادی میں اترنا پسند نہیں کرتے، کبھی رُخ ادھر مڑ بھی جائے تو لے دے کے تان اسی پہ آکے ٹوٹتی ہے کہ یہ خلافِ عقل ہے یا خلافِ فطرت۔ اپنے مطلب کی برآوری کے لئے صوفیاء کے شطحیات، مبہم عبارات، ضعیف اقوال سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسلوب بیان رواں، لیکن سنجیدگی غائب ہے۔ علماء کو آڑے ہاتھوں لیا، جابجا ان پر فقرے کسے، جنت کا تذکرہ کس تمسخرانہ انداز میں کیا ہے، وہ بھی پڑھ لیجئے:

''یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ پیدا ہوئی ہے، اس میں سنگِ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں شاداب وسرسبز درخت ہیں، دودھ وشراب وشہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں، ہر قسم کا میواہ کھانے کو موجود ہے، ساقی وساقنیں نہایت خوبصورت، چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں، ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹ رہا ہے، ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ کر رہا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ، ایسا بے ہودہ پن جس پر تعجب ہوتا ہے، اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں''۔ (۶)

کسی بھی تفسیر کا منہج سمجھنے میں اس کے اصولِ تفسیر ہی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، کیونکہ ہر مفسر

انہیں بنیادوں پر اپنے افکار ونظریات کا شیش محل کھڑا کرتا ہے، سرسید نے بھی اہل سنت کے طریقِ تفسیر سے ہٹ کر پندرہ اصولوں پر مشتمل ایک رسالہ ''تحریر فی اصول التفسیر'' کے نام سے لکھا ہے، اسی کے چند اہم اور بنیادی اصولوں کا مختصر ناقدانہ جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

## سرسید کے چند تفسیری اصول کا جائزہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید نے تحریف وتاویل کا پری خانہ سجانے کے لئے رنگ وروغن کا اکثر وبیشتر سامان معتزلہ کے فکری ملبے سے مستعار لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کج فہمی کی ہر ادا میں رنگِ اعتزالی جھلکتا ہے، سرسید صاحب کا اہم اور بنیادی اصول یہ ہے کہ:

### پہلا اصول:

''عقل کو نقل پر بہرصورت برتری حاصل ہوگی، تعارض کی صورت پیش آجائے تو ترجیح بھی عقل کو ہوگی''۔(۷)

سرسید نے معتزلہ کے اس اصول کو انتہائی بے دردی سے استعمال کرکے دینی عقائد کے پورے ڈھانچے کو تبدیل کرکے رکھ دیا، مثلاً ملائکہ، جنات وشیاطین، جنت وجہنم، حشر ونشر، رؤیتِ باری تعالیٰ وغیرہ کا صرف اس لئے انکار کردیا کہ یہ چیزیں میزانِ عقل میں پوری نہیں اترتیں، کیونکہ عقل یہ تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ ملائکہ، جنات وشیاطین انسانوں سے میل جول رکھنے والی مخلوق ہو اور نظر نہ آئے، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے، ثابت نہیں ہوتا''۔(۸)

''قرآن کریم میں ملائکہ سے مراد انسان کے قوائے ملکوتی اور شیطان سے مراد قوائے بہیمی ہیں''۔(۹)

''جنات سے پہاڑی وجنگلی آدمی مراد ہیں''۔(۱۰)

''جنت وجہنم کا تذکرہ درحقیقت معروف کو بجالانے اور نواہی سے بچانے کا ایک ترغیبی حربہ ہے''۔(۱۱)

رؤیتِ باری تعالیٰ کے متعلق لکھتے ہیں:

''خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ان آنکھوں سے ہوسکتا ہے اور نہ ان آنکھوں سے جو دل کی آنکھیں کہلاتی ہیں اور نہ قیامت میں کوئی شخص خدا کو دیکھ سکتا ہے''۔(۱۲)

''نبوت فطری امر ہے''۔(۱۳)

''حشر اجساد مثالی ہوگا''۔(۱۴)

''چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا وحشیانہ ہے، اس کی اجازت صرف اس وقت تک ہے جب ملک میں قید خانے نہ ہوں''۔(۱۵)

''قتال صرف اپنی ذات کے دفاع میں کیا جاسکتا ہے''۔(۱۶)

''امراء سے سود لینے میں کوئی حرج نہیں''۔(۱۷)

الحاد اور بے دینی کی یہ عمارت اسی اصول پر قائم ہے کہ عقل کو نقل پر بہر صورت ترجیح ہوگی۔

## دوسرا اصول:

سرسید کا دوسرا بڑا اہم اصول یہ ہے کہ اس کاروبار دنیا کا ہر فعل تعلیل وتسبیب کے ہمہ گیر قانون پر استوار ہے (۱۸) ذرّہ سے لے کر پہاڑ تک، قطرہ سے لے کر سمندر تک کوئی چیز اس سے مستثنیٰ نہیں، کائنات کے ہر حصہ میں اسی قاعدے اور قانون کی حکمرانی ہے، یہ ایسا اٹل قانون ہے کہ اس کا انحراف خدا بھی نہیں کرسکتا (۱۹) سرسید صرف اسے قانونِ فطرت سے تعبیر کرتے ہیں، اس نظریہ کی بنیاد پر انہیں نیچری کہا جاتا ہے، سرسید نے اس اصول سے سب سے پہلا وار معجزات و کرامات پر کیا، کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ تمام امور علّت معلول کی قید سے آزاد ہوکر خرقِ عادات کے طور پر اس دنیائے آب وگِل میں وجود پذیر ہوتے ہیں، لیکن سرسید صاحب خود ساختہ قانونِ فطرت کے پیشِ نظر ان خرقِ عادات امور کو تسلیم نہیں کرتے، ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں کسی معجزے کا ذکر نہیں (۲۰) اس دعویٰ سچا ثابت کرنے کے لئے جو طرز وطریقہ اختیار کیا ہے، اس کے ڈانڈے تحریف سے جا ملتے ہیں، مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی نہیں، روحانی اور منامی ہوا تھا (۲۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قانونِ فطرت کے مطابق والد کی موجودگی میں ہوئی تھی (۲۲) انہیں آسمان پر اٹھائے جانے کا تعلق جسم سے نہیں، روح اور درجات سے تھا (۲۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا ہی نہیں گیا، بدر کے میدان میں ملائکہ کے براہِ راست شریک ہونے کی کوئی حقیقت نہیں (۲۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کو لے کر دریا پر پہنچے تو اس وقت اتفاقاً دریا کا پانی اترا ہوا تھا، اس لئے سلامت گزر گئے، جب فرعون بمع لشکر کے دریا میں اترا تو اس وقت پانی چڑھا ہوا تھا، اس لئے غرقاب ہوگیا (۲۵)۔

تحریف کے یہ نمونے سرسید کے خود ساختہ ''اصولِ فطرت'' نے جنم دیئے، ان خرقِ عادات امور کو فطرت میں ڈھالنے کے لئے سرسید کی عقلِ نارسا نے تحقیق کے جن زاویوں سے کام لیا ہے، اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، مثلاً قرآنِ کریم میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے ایک مخصوص پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ

پڑے: ''فَقُلْنَااضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَفَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَاعَشْرَةَ عَيْناً ''۔(۲۶) تو ہم نے کہا: مارا اپنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے (۲۷)۔اس معجزے کو قانونِ فطرت میں ڈھالنے کے لئے سرسید صاحب نے جو خامہ فرسائی کی ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:

> ''حجر کے معنی پہاڑ کے ہیں اور ضرب کے معنی رفتن (چلنا) پس صاف معنی ''اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ '' کے ہوئے اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چل، اس پہاڑ کے پرے ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے پانی کے تھے، خدا نے فرمایا: ''فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَاعَشْرَةَ عَيْناً ''یعنی اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے''۔(۲۸)

عربی زبان سے شُد بُد رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ ''حجر'' بول کر پہاڑ مراد نہیں لیا جاتا اور ''ضرب'' بمعنی رفتن (چلنا) اس وقت ہوتا ہے جب کے صلہ میں لفظ ''فی'' ہو لیکن سرسید صاحب کو قاعدے اور قانون سے کیا واسطہ؟ انہیں تو فقط اپنا مطلب نکالنا ہے، اگرچہ وہ ''شوربے کی تحقیق'' کی صورت میں نکل رہا ہو''شوربے سے روٹی کھانے'' کے مفہوم سے ہر عام وخاص واقف ہے، لیکن اگر کوئی سرپھرا اس کی لغوی تحقیق میں جت کر یہ دعویٰ کرڈالے کہ اس کا مطلب کھارے پانی سے روٹی کھانے کے ہیں، کیونکہ شوربہ ''شور'' اور ''آب'' سے مرکب ہے، ''شور'' کھارے اور ''آب'' پانی کو کہتے ہیں، بتایئے! اس مسخرے پن کو تحقیق کا نام دیا جاسکتا ہے؟۔

## تیسرا اصول:

سرسید صاحب کا تیسرا اصول یہ ہے کہ تفسیر کے لئے حدیثِ رسول، آثارِ صحابہ کرامؓ اور مفسرین کے اقوال کی چنداں حاجت نہیں (۲۹) چنانچہ سرسید کی معتبر سوانح ''حیاتِ جاوید'' جسے علامہ شبلی نعمانیؒ نے ''مدلّل وحی'' قرار دیا (۳۰) میں الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

> ''پس انہوں نے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے: ''حسبنا کتاب اللّٰه'' کہہ کر اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعۂ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کریم کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام مفسرین کے اقوال وآراء اور تمام فقہاء، مجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء مفسرین اور فقہاء مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کردیا، اسی اصول کو ملحوظ رکھ کر سرسید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمّم ارادہ کرلیا''۔(۳۱)

سرسید نے اس تفسیری جدّت طرازی میں تمام معتزلہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا، یہی وجہ ہے کہ وہ

کسی آیت کی تفسیر آثارِ صحابہؓ سے کجا، حدیثِ رسول ﷺ سے بھی نہیں کرتے۔

## چوتھا اصول:

سرسید نے صفاتِ باری تعالیٰ کو عین ذات باری تعالیٰ قرار دے کر معتزلہ کی ہمنوائی کی ہے اور اصولِ تفسیر میں اسے ایک ''اصل'' کے طور پر ذکر کیا ہے (۳۲) حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک صفات باری تعالیٰ واجب الوجود کے مفہوم سے زائد ہیں، عین ذات باری تعالیٰ نہیں ہیں، یہ ہیں سرسید کی تفسیر کے چند اہم اور بنیادی اصول، جن پر الحادو بے دینی کی پوری عمارت کھڑی ہے، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری نے بجا فرمایا کہ:

''اس صدی کی بے دینی، بے راہ روی اور بدعقیدگی کے تمام ڈانڈے سرسید سے ملتے ہیں''۔(۳۳)

یہ ایک واقعہ ہے کہ پرویزی، خاکساری، فکری، غامدی سمیت ہر قافلہ راہ گم کردہ کی علمی بنیادیں سرسید کے تفسیری اوراق اور تہذیب الاخلاق کے مقالات میں بآسانی تلاش کی جاسکتی ہیں، تجدد پسندی کے یہ تمام طبقے ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں جو ہر زمانہ کی ''عقلی'' سطح کے ساتھ گھومتے چلے جاتے ہیں۔

## سرسید کی تفسیر پر چند اہلِ علم کے تبصرے:

**۱......: سرسید کے دوست نواب سید مہدی علی خان ایک خط میں سید صاحب کو مخاطب ہیں:**

''آپ نے مسلمان مفسروں کو تو خوب گالیاں دیں اور برا بھلا کہا اور یہودیوں کا مقلد بتایا مگر آپ نے خود اس زمانے کے لامذہبوں کی باتوں پر ایسا یقین کرلیا کہ ان کو مسائل محققہ، صحیحہ یقینیہ قرار دے کر تمام آیتوں کو قرآن کے مؤوّل کردیا اور لطف یہ کہ آپ اسے تاویل بھی نہیں کہتے (تاویل کو تو آپ کفر سمجھتے ہیں) بلکہ صحیح تفسیر اور اصلی تفسیر قرآن کی سمجھتے ہیں، حالانکہ نہ سیاقِ کلام، نہ الفاظِ قرآنی، نہ محاوراتِ عرب کی اس سے تائید ہوتی ہے''۔(۳۴)

۲......: مولانا عبدالحق حقانیؒ اپنی ''تفسیر حقانی'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''دراصل یہ کتاب تحریف القرآن ہے، نہ کہ تفسیر (۳۵)''۔

چنانچہ حقانی صاحبؒ جابجا اسے ''تحریف القرآن'' کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔

۳......: تفسیر القرآن پر سرسید کے دوستوں کا ردِّعمل کیا تھا؟ یہ الطاف حسین حالی کی زبانی سنئے:

''آخر عمر میں سرسید کو باوجود وثوق کے ان کو اپنی رائیوں پر تھا وہ حداعتدال سے متجاوز ہوگیا تھا، بعض آیاتِ قرآنی کے وہ ایسا معنی بیان کرتے تھے جن کو سن

کر تعجب ہوتا تھا کہ کیونکر ایسا عالی دماغ ان کمزور اور بودی تأویلوں کو صحیح سمجھتا ہے، ہر چند کہ ان کے دوست ان تأویلوں پر ہنستے تھے، مگر وہ کسی طرح اپنی رائے سے رجوع نہ کرتے تھے''۔(۳۶)

۴......: ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سرسید کی تفسیر پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھ کو ان کے معتقدات بأسرہا تسلیم نہیں، سید احمد خان کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا، میرے نزدیک وہ تفسیر ''دیوانِ حافظ'' کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتابِ تصوف بنانا چاہا، جو معانی سرسید احمد خان صاحب نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کئے اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے، قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل............ یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبرئیل حاملِ وحی کا، نہ رسول ﷺ کا، نہ قرآن کے کاتب و مدوّن کا، نہ اصحابؓ کا، نہ تابعینؒ کا، نہ تبع تابعینؒ کا، نہ جمہور مسلمین کا''۔(۳۷)

۵......: محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے ''یتیمۃ البیان'' میں سرسید کو ''غلاۃِ معتزلہ'' میں شمار کیا ہے۔(۳۸)

## ''تفسیر القرآن'' کی تردید پر مشتمل چند اہم کتابیں وتفاسیر:

۱......: سرسید کی تحریفات سے پردہ اُٹھانے والی پہلی شخصیت سید ناصرالدین محمد ابوالمنصور کی ہے، جنہوں نے سرسید کی تردید میں ''تنقیح البیان'' لکھی جو ۱۲۹۷ھ میں نصرۃ المطابع دہلی میں شائع ہوئی۔

۲......: سرسید کے فلسفہ ''تفوقِ عقل'' کی تردید میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک مکتوب سرسید کو لکھا جو سات صفحات پر مشتمل تھا، ''تصفیۃ العقائد'' کے نام سے شائع ہوا۔

۳......: علامہ عبدالحق حقانیؒ نے تفسیر حقانی کے مقدمہ میں سرسید کے افکار ونظریات پر شاندار تنقید فرمائی ہے، یہ مقدمہ دوسو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، اسی طرح ایک غیر مقلد عالم سید احمد حسنؒ نے اپنی تفسیر ''احسن التفاسیر'' کے مقدمہ میں سرسید کی تردید پر مختصر مگر جامع مانع بحث کی ہے۔

۴......: مولوی ثناء اللہ امرتسریؒ نے تفسیر ثنائی میں سرسید کی تحریفات کا جواب عقلی اور نقلی طریقے سے دیا ہے۔

۵......: ایک شیعہ مفسر ابوعمار علی نے بھی سرسید کی تردید میں ''عمدۃ البیان'' کے نام سے

ایک تفسیر لکھی۔

۶ ...... : علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے ''یتیمة البیان'' میں سرسید کی تفسیر اور اس کے افکار و نظریات پر جامع و مانع تبصرہ فرمایا ہے۔

۷ ...... : مولانا سید تصدق بخاری مدظلہ نے ''محرّفِ قرآن'' نامی کتاب میں سرسید کی تفسیر پر ناقدانہ تجزیہ پیش کیا ہے۔

۸ ...... : حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی اسی سلسلہ میں ایک کتاب ''**الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة**'' کے نام سے تالیف فرمائی جو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجازِ بیعت مولانا مصطفیٰ خان بجنوریؒ کی تشریح اور تسہیل کے ساتھ ''اسلام اور عقلیات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ عقل و نقل کا دائرۂ کار اور ان دونوں میں تعارض و ترجیح کی صورتوں پر جن جواہر ریزوں کو صفحاتِ قرطاس پر بکھیرا ہے، اسے پڑھ کر ابن تیمیہؒ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، جنہوں نے ''**بيان موافقة صريح المعقول لصحيح المنقول**'' میں عقل پرستوں پر نقد و احتساب کا دبستان سجا کر واضح کر دیا تھا کہ:

فلسفہ چون اکثرش باشد ''سفہ'' پس کل آں
ہم ''سفہ'' باشد کہ حکمِ کل، حکمِ اکثر است

حکیم الامتؒ کی یہ کتاب سرسید کے ''فلسفۂ تفوقِ عقل'' کے جواب میں بلاشبہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

## مراجع و مصادر


۱۔ حیاتِ جاوید ۱/ ۲۲۵ بحوالہ سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی، ص: ۱۰۷
۲۔ پاکستان کا معمار اول سرسید، ص: ۵۵، طلوع اسلام، لاہور
۳۔ تفسیر حقانی ۱/ ۲۲۶، بیت العلم، لاہور
۴۔ تفسیر القرآن، سرسید سورۂ فاتحہ، ص: ۵
۵۔ نقش سرسید، ضیاء الدین لاہوری، ص: ۲۷
۶۔ تفسیر القرآن، حصہ اول، ص: ۴۴
۷۔ تحریر فی اصول التفسیر الاصل الخامس عشر، ص: ۳۱ تفسیر القرآن، حصہ ششم، ص: ۱۱۸
۸۔ تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص: ۵۵
۹۔ تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص: ۵۶
۱۰۔ تفسیر القرآن، سورۂ انعام، حصہ سوم، ص: ۶۵، ۶۶، ۶۷
۱۱۔ تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص: ۴۵، ۴۶

۱۲۔تفسیر القرآن، سورۂ اعراف، حصہ سوم، ص:۲۰۴
۱۳۔تفسیر القرآن، سورۂ انعام، حصہ سوم، ص:۴۹
۱۴۔تفسیر القرآن، سورۂ انعام، حصہ سوم، ص:۱۰۹
۱۵۔تفسیر القرآن، سورۂ مائدہ، حصہ دوم، ص:۱۳۱-۱۳۵
۱۶۔تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص:۲۴۸
۱۷۔تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص:۱۱۶
۱۸۔تحریر فی اصول التفسیر، الاصل الثامن، ص:۲۱-۲۵
۱۹۔تحریر فی اصول التفسیر، الاصل الثامن، ص:۲۱
۲۰۔تحریر فی اصول التفسیر، الاصل التاسع، ص:۲۵
۲۱۔تفسیر القرآن، سورۂ بنی اسرائیل، حصہ ششم، ص:۸۶
۲۲۔تفسیر القرآن، سورۂ آل عمران، حصہ دوم، ص:۱۴
۲۳۔تفسیر القرآن، سورۂ آل عمران، حصہ دوم، ص:۳۵
۲۴۔تفسیر القرآن، سورۂ آل عمران، حصہ دوم، ص:۵۰
۲۵۔تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص:۹۲
۲۶۔البقرۃ:۶۰
۲۷۔ترجمۂ شیخ الہند رحمہ اللہ
۲۸۔تفسیر القرآن، سورۂ بقرہ، حصہ اول، ص:۱۱۷
۲۹۔تحریر فی اصول التفسیر، الاصل التاسع، ص:۲۷
۳۰۔نقشِ سرسید، ضیاء الدین لاہوری، ص:۲۷
۳۱۔حیاتِ جاوید، بحوالہ سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی، ص:۵۷، طلوع اسلام، لاہور
۳۲۔تحریر فی اصول التفسیر، الاصل السابع، ص:۳۱
۳۳۔مقدمہ سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی، ص:۲۲
۳۴۔تفسیر القرآن، مکتوب نواب سید مہدی علی خان، ص:۳
۳۵۔مقدمہ تفسیر حقانی، ص:۲۲۶
۳۶۔حیاتِ جاوید، بحوالہ نقشِ سرسید ضیاء الدین لاہوری، ص:۲۸
۳۷۔موعظہ حسنہ، ص:۱۷۵، بحوالہ نقشِ سرسید، ص:۲۹
۳۸۔تیمۃ البیان لمشکلات القرآن، ص:۳۳

☆ ☆ ...... ☆ ☆

# ''اسلام زندہ باد'' کانفرنس

## جمعیت علماءِ اسلام کا قابل تبریک کارنامہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

متحدہ پاکستان میں استخلاصِ وطن کی تحریک کی آبیاری اور اُسے پروان چڑھانے کے لئے علمائے حقہ ہی پیش پیش تھے۔ اسی طرح تحریک پاکستان میں بھی علمائے کرام کا کردار مثالی تھا، جس کے نتیجہ میں ملک عزیز پاکستان وجود میں آیا۔

پاکستان کی بنیاد اور اساس نفاذِ اسلام تھی، پاکستان کا مطلب کیا: ''لاإلــہ إلاالــلّٰـہ'' جیسے نعرے سے عوام کے ایمان وایقان کو انگیخت کیا گیا۔ لیکن ابتداء ہی سے خصوصاً قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کے بعد تدریجاً یہاں نفاذِ اسلام نہیں ہونے دیا گیا۔

۹،۱۰ فروری ۱۹۴۹ء مطابق ۱۰،۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ کو جمعیت علمائے اسلام کے زیرِ اہتمام ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی گئی، جس کے خطبۂ صدارت میں علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ نے اس طبقہ کی تمام کج ادائیوں کو طشت از بام کیا اور نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں ان کے تمام شکوک وشبہات اور اعتراضات کا جواب دیا۔ آپ ہی کی کوششوں سے قراردادِ مقاصد اسمبلی سے پاس ہوئی، جو آج بھی آئینِ پاکستان کا حصہ ہے۔

۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کی اپنی شرارتوں اور غنڈہ گردی کی بنا پر جب اہلا میانِ پاکستان نے تحریک چلائی، تو اس وقت محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کی امارت اور قومی اسمبلی میں حضرت مفتی محمود قدس سرہٗ کی قیادت میں پارلیمنٹ نے آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اُس کے بعد متعدد بار علمائے کرام نے نفاذِ شریعت کی غرض سے قومی اسمبلی، سینیٹ اور صوبائی اسمبلی میں شریعت بل اور حسبہ بل پیش کئے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جب بھی

نفاذِ اسلام کی بات کی گئی، اشرافیہ نے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے اور فرضی مشکلات کے پہاڑ کھڑے کرکے پاکستان میں نفاذِ اسلام کی راہ روکی گئی، آج پاکستان کو قائم ہوئے ۶۴ برس ہوگئے، لیکن یہاں اسلام نافذ نہیں ہوسکا۔ اس ملک میں برسرِ اقتدار طبقہ ہمیشہ یورپ وامریکہ کے مفادات کا محافظ رہا، اس ملک میں جو بھی کرسیٔ اقتدار پر براجمان ہوا، اس نے ملک اور قوم کے لئے کچھ کیا ہو یا نہ، البتہ اسلام اور مسلمانوں کا گلا ضرور دبایا۔

دوسری طرف حامیانِ دین وشریعت اور علمائے حقہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ حکام کو پاکستان کے مقاصد سے منحرف نہ ہونے دیا جائے، اس لئے انہوں نے اربابِ اقتدار کو ان کے بیرونی آقاؤں کے پروگرام کی تکمیل سے نہ صرف یہ کہ باز رکھا، بلکہ ہمیشہ کوشش کی کہ کسی طرح خدا کی زمین پر خدا کا قانون نافذ ہوجائے۔

جمعیت علماء اسلام جو پاکستان کی ملک گیر عوامی دینی جماعت ہے، جس کا منشور قرآن و سنت اور اسلام کے عادلانہ نظام کا نفاذ ہے۔ انسانیت کش استحصالی نظام کا خاتمہ، انسانی حقوق کی پاسداری اور شہریوں کے بنیادی حقوق کے لئے جدوجہد اس کا اثاثہ ہے۔ جمعیت علماء اسلام کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول اور اعلائے کلمۃ اللہ اس کا مقصود ہے۔

آج دنیا میں تہذیبوں کے ٹکراؤ کی جنگ ہے، مغرب مسلمانوں پر اپنی تہذیب مسلط کرنے پر تلا ہوا ہے، اور اس کے لئے اس نے کئی محاذ کھول رکھے ہیں۔ سامراج کی ان تمام فتنہ سامانیوں اور چالوں سے پاکستانی عوام کو بچانے اور ان سے باخبر رکھنے کے لئے قائد اسلامی انقلاب، امیر جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم نے مختلف شہروں میں کانفرنسوں کی صورت میں رابطہ مہم کا فیصلہ کیا۔ کئی شہروں میں کامیاب کانفرنسوں کے بعد کراچی میں باغِ قائد اعظم محمد علی جناح میں ''اسلام زندہ باد کانفرنس'' منعقد ہوئی، جس کی مثال کراچی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کانفرنس کی تیاری میں جمعیت علماء اسلام کراچی کی قیادت اور کارکنوں نے انتھک محنت کی۔ کانفرنس کی تیاریوں کے سلسلہ میں علمائے کرام، دینی مدارس کے منتظمین اور خطباء حضرات کے نام ایک دعوت نامہ تیار کیا گیا، جس کا متن یہ ہے:

''محترم ومکرم ...................... زیدت الطافکم ومعالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ملک کی موجودہ دینی، سیاسی اور اقتصادی صورت حال میں جولاوا پک رہا ہے اور عالمی استعمار نے یہودی وصلیبی پروگراموں اور منصوبوں کو ہمارے ملک عزیز پاکستان پر مسلط کرنے کے لئے جوگٹھ جوڑ کرلیا ہے، اس کے

پیش نظر اس کا مؤثر تدارک، نظریۂ پاکستان، دینی مدارس ومساجد اور اسلامی مراکز کی حفاظت، امت مسلمہ کو رشتۂ وحدت میں پرونا اور ملک وملت کی صحیح رہنمائی کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اس مقصد کے لئے ۲۷؍جنوری ۲۰۱۲ء بعد نمازِ جمعہ بمقام شاہراہِ قائدین ''اسلام زندہ باد'' کانفرنس کا انعقاد کیا گیا ہے، جس میں جمعیت علماء اسلام کے مرکزی راہنماؤں کے علاوہ قائد ملتِ اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا خصوصی خطاب ہوگا۔ آپ سے اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے دعاؤں اور توجہات کی درخواست کے ساتھ یہ بھی استدعا ہے کہ اپنے احباب وحلقۂ اثر کو اس کانفرنس میں شرکت کے لئے زیادہ سے زیادہ متوجہ فرمائیں۔ واجرکم علی اللّٰہ۔''

اس کانفرنس میں ملک بھر کے اراکین قومی اسمبلی، اراکین صوبائی اسمبلی، اراکین سینیٹ اور جمعیت علماء اسلام کے راہنماؤں کے علاوہ بزرگان دین، اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام کثیر تعداد میں شریک ہوئے، جن میں وفاق المدارس العربیہ کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان زید مجدہم، حضرت مولانا عبد الصمد ہالیجوی صاحب، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس وشیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، استاذِ حدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب، استاذِ حدیث حضرت مولانا فضل محمد صاحب، استاذِ حدیث حضرت مولانا امداد اللہ صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ کانفرنس سے جمعیت علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری مولانا عبدالغفور حیدری، اکرم درانی، حافظ حسین احمد، سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود سومرو، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، حضرت مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ صاحب، مولانا عبدالغفور قاسمی اور دیگر نے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم نے اپنے خطاب میں جو کچھ فرمایا، وہ ہدیۂ قارئین ہے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

''میرے معزز بزرگو اور عزیز بھائیو! آزادی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، کوئی قوم آزاد ہو، یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر بنی اسرائیل کو یہ نعمت یاد دلائی کہ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ فرعون اور فرعون والے تم پر ظلم کیا کرتے تھے، تم غلام تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے، اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اس کا

نتیجہ یہ تھا کہ ان کی عورتوں سے وہ خدمت لیتے تھے اور بڑوں سے بیگار لیتے تھے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مصر میں فرعون کے بہت بڑے بڑے اہرام مصر بنے ہوئے ہیں، بڑے بڑے پتھروں کے مصنوعی پہاڑ ہیں، جو ان کی قبریں تھیں، یہ بڑے بڑے پتھر بنی اسرائیل کے ذریعہ لائے جاتے تھے، فرعونیوں کے ہاتھ میں بڑے بڑے کوڑے ہوتے تھے، ان سے انہیں مارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آزادی دی اور فرعون کو غرق کیا اور یہ بنی اسرائیل اُس کنارے پر تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ نعمت یاد دلاتا ہے۔ اور ایسا ہی ہمارا حال ہے۔ ہم غلام تھے، استعمار ہم پر غالب تھا اور فرعون نے تو بچوں کو ذبح کیا، لیکن استعمار نے ہزاروں علماء کو ذبح کیا، وہ سب جرم کئے جو آپ کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے محنت کی، آزادی کے لئے قربانیاں دیں اور آخر کار اس کو یہاں سے بھاگنا پڑا اور ہمیں آزادی مل گئی۔ اور اس آزادی کا عنوان بھی اسلام تھا۔ ہمارے قائدین، ہمارے عوام سب کی زبان پر یہی تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا: ''لا إله إلا اللّٰه'' اللہ نے ہمیں یہ نعمت دی۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم نے جو وعدے کئے تھے، ان پر عمل کرتے اور واقعی ملک کو مثالی اسلامی مملکت بنا کے دنیا کے سامنے پیش کرتے، لیکن نعمت ملنے کے بعد ہمارے قائدین نے بھی اور ہم عوام نے بھی سرکشی اختیار کی، ناشکری کی، إلا ما شاء اللہ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج تک ہمیں اسلامی نظام نہیں مل سکا۔ اس کی سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کبھی زلزلہ کی شکل میں آتا ہے، کبھی سیلاب کی شکل میں آتا ہے۔ جماعتیں آپس میں لڑ رہی ہیں، ہر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچ رہا ہے۔ اور پاکستان کا رہنے والا اپنی جان و مال اور عزت پر مطمئن نہیں کہ ہر وقت اُس پر خوف مسلط رہتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا عذاب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم إن عذابي لشديد''۔ یعنی میری نعمت کا شکر ادا کرو گے تو اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ کا عذاب ہم سے دور ہو جائے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ ملک اسلامی ملک بن جائے، اس کے اندر اسلام کا بول بالا ہو تو پھر ہمارے حکمرانوں سے لے کر عوام تک ہم سب کو توبہ کرنی

چاہئے، ہمیں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ ہمارے حکمران بھی صدق دل سے توبہ کریں، ہم عوام بھی صدق دل سے توبہ کریں اور اس کا وعدہ کریں کہ اے اللہ! ہم اپنی اجتماعی زندگی میں بھی اور انفرادی زندگی میں بھی آپ کے دین پر چلیں گے اور آپ کی تعلیمات پر عمل کریں گے۔ اور اگر ہم نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کی تو انشاء اللہ یہ عذاب بھی ٹلے گا اور اللہ کی نعمتیں بھی آئیں گی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اللہ تعالیٰ کے نیک حکمرانوں میں سے تھے اور ان کو خلیفہ راشد کہا جاتا ہے، ان کے عدل وانصاف اور دین داری کی وجہ سے اللہ نے ایسی برکت دی کہ ان کے دور میں ایک انسان پیسے لے کر باہر نکلتا، کوئی فقیر نہیں ملتا تھا، جس کو وہ پیسہ دے۔ اور زمین میں جو غلہ و پھل عام طور پر اُگتے تھے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ پھل اور کثرت کے ساتھ غلہ دیا کرتے تھے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! ایک ہی راستہ ہے، ہم توبہ کر کے وعدہ کریں کہ اے اللہ! آئندہ ہم اپنی زندگی کو تیرے احکام، تیری کتاب اور پیغمبر ﷺ کی سنت کے مطابق گزاریں گے اور حکمران بھی وعدہ کریں، توبہ کریں۔ ہماری آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی، میں میڈیا والوں سے گزارش کروں گا کہ: میری آواز وہاں تک بھی پہنچائیں اور ان سے کہیں کہ اللہ کا جب عذاب آئے گا، نہ تم بچو گے، نہ ہم بچیں گے۔ توبہ کرو، تمہاری کرسی کی حفاظت بھی ایک نے کرنی ہے اور وہ اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھے اور اسلام کے لئے سارے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وصلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد''۔

جمعیت علماء اسلام کے امیر اور قائدِ ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم نے ''اسلام زندہ باد'' کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا کہ: ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے اور مسائل کو حل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ اسٹیبلشمنٹ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ: اسٹیبلشمنٹ نے اس ملک کو سیکورٹی اسٹیٹ بنا دیا ہے، مقتدر ادارے اپنی ناکامی تسلیم کرلیں، مغرب کی جانب سے مسلمانوں کی تذلیل، قرآن پاک کی توہین اور اسلام دشمن اقدامات ہمیں انتہا پسندرویہ اختیار کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، امریکا اور اس کے حواری سن لیں، امریکا سے آقا اور غلام کا رشتہ قبول نہیں، انتخاب جیت گئے تو پورے ملک میں عوام کو مفت طبی اور تعلیمی سہولتیں فراہم

کریں گے۔ بندوق کی نوک پر شریعت کے نفاذ کے مطالبے کو درست نہیں مانتے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل نہ کرنے والے مسلح تنظیموں سے بڑے مجرم ہیں، سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام مسائل کی جڑ ہے، کھوکھلے نعرے نہیں لگاتے، معاشی مسائل کے حل کا منشور رکھتے ہیں، کمیونزم اور کیپٹل ازم کی ناکامی کے بعد اسلامی نظام دنیا کا مقدر ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے معاشی نظام مسائل کے حل میں ناکام ہو چکے ہیں، ہم مذاکرات کے قائل ہیں، اگر افغانستان کا مسئلہ مذاکرات سے حل ہوتا ہے تو اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں، روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے نے کبھی بھوکے کا پیٹ نہیں بھرا، مغرب کی انتہا پسندی کے خلاف ہمیں بھی انتہا پسند پالیسی بنانے کا حق ہے۔

جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ:

> ''سندھ کے عوام نے جمعیت علماء اسلام پر بے لاگ اعتماد کیا ہے، جس کا ثبوت آج کا یہ فقید المثال عوامی اجتماع ہے، آج کی کانفرنس حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی تحریک کا تسلسل ہے، جمعیت علماء اسلام کے جیالوں نے اس نعرے کو نئی جلا بخشی ہے اور قوم کو احساس دلایا ہے کہ پاکستان کے قیام کا مقصد غلامی کو دوام بخشنا نہیں، بلکہ حقیقی آزادی حاصل کرنا تھا، مگر قیام پاکستان سے ہی ملک پر ایسا نظام نافذ کر دیا گیا اور لوگ قابض ہوئے کہ ہمیں فرنگی کے دور سے نکال کر امریکی استعمار کے حوالے کر دیا گیا اور پاکستان کو اسٹیبلشمنٹ نے سیکورٹی اسٹیٹ بنا دیا، ملک کا سرمایہ اسٹیبلشمنٹ کی عیاشیوں پر خرچ ہوتا ہے اور غریب بھوکا رہ رہا ہے۔ پاکستان کے قیام کا مقصد اسلامی فلاحی ریاست کا قیام تھا، مگر اس کو فلاحی ریاست کی بجائے اسٹیبلشمنٹ کی ریاست بنا دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں معاشی انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ ملک کے وسائل عوام کی ملکیت ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کے سربراہ نے کہا کہ مزدور کو اداروں میں اس کا حق ملنا چاہئے، جب تک مزدور اور غریب مطمئن نہیں ہوگا، اس وقت تک ملک میں بہتری نہیں آسکتی۔ جے یو آئی نے خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں خان اور سرداری سسٹم کو ختم کیا اور اب سندھ میں جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کی لعنت کا خاتمہ کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ بعض قوتیں مذہبی طبقے کو مذہبی انتہا پسندی کی طرف دھکیلنا چاہتی ہیں۔ ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں: ہم انتہا پسند نہیں، انتہا پسند تم ہو۔ ہمیں تو قرآن پاک نے میانہ روامت قرار دیا ہے، ہم نے باطل نظریات اور غیر فطری نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ مذہبی طبقے کو

زبردستی جنگ کی طرف دھکیلا جارہا ہے جو لوگ ہمیں انتہا پسند کہتے ہیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ابوغریب جیل، گوانتانا موبے، شبرغان اور دیگر انسانیت دشمن مقامات پر انسانیت کی کس طرح تذلیل کی گئی؟ کہیں پر زندہ انسانوں پر کتے چھوڑے گئے، کہیں پر زندہ انسانوں کے منہ پر پیشاب کئے گئے اور کہیں پر قرآن کی توہین کی گئی، امریکا میں گرجا گھروں میں قرآن پاک کو اعلانیہ طور پر جلایا گیا، آپ کا یہ انتہا پسندانہ رویہ ہمیں انتہا پسند بننے پر مجبور کررہا ہے۔ ہم امریکی عوام یا کسی کے دشمن نہیں، ہم امریکی رویوں کے دشمن ہیں، ہم مسائل کے حل کے لئے مذاکرات کے مخالف نہیں مگر امریکا اور اس کے حواریوں پر واضح کردینا چاہتے ہیں کہ پاکستان اور امریکا کے درمیان آقا اور غلام کے تعلقات ہیں، ہم اس بنیاد پر کسی پالیسی کو تسلیم نہیں کریں گے اور اس کے خلاف جمعیت علماء اپنے منشور کے مطابق اپنی جدوجہد جاری رکھے گی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ جب اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق قانون سازی نہیں کی گئی اور پارلیمنٹ نے بھی آئین کے مطابق اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے اپنا کردار ادا نہیں کیا۔ اگر کسی نے اس وجہ سے بندوق اٹھاکر اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوشش کی، اگر اس کے خلاف طاقت کا ستعمال درست ہے تو پھر پارلیمان میں بیٹھ کر اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنے والے بھی مجرم ہیں اور ان کے خلاف بھی عوامی بغاوت ہونی چاہئے، انہوں نے کہا کہ پارلیمنٹ میں قراردادوں پر عمل ہوتا تو آج ہمیں ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑتا، کبھی قوم کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اغوا کرکے اس کی تذلیل کی جاتی ہے، کبھی ریمنڈ ڈیوس جیسے دہشت گرد معصوم پاکستانیوں کا قتل کرتے ہیں، کبھی ایبٹ آباد پر حملہ ہوتا ہے اور ہمارے ادارے بے خبر ہوتے ہیں، کبھی حقانی نیٹ ورک کی بنیاد پر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور کبھی سلالہ پر حملہ ہوتا ہے، یہ سب کچھ ۲۰۰۱ء کی ملک دشمن پالیسیوں کا نتیجہ ہے، جس کی وجہ سے اب تک ملک کو ۷۰ ارب ڈالر کا نقصان ہو چکا، ۴۰ ہزار پاکستانی بے گناہ شہید ہو چکے ہیں، اس کے بدلے میں ہمیں ۹ سال کے دوران ساڑھے ۴ ارب ڈالر ملے جو سالانہ فی پاکستانی ۲ ڈالر بنتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ ہم اپنے مجرم کو تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ زبانی معاہدات ہوئے، آخر یہ اختیار کس کو

حاصل تھا کہ وہ ۱۸ کروڑ عوام کا سودا کرے؟۔ غلط پالیسیوں نے ہمیں بھکاری بنا دیا، یہ ادارے کیوں نہیں تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ناکام ہو چکے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ جلسے بڑے کرتے ہیں، لیکن ووٹ آپ کو نہیں ملتے؟۔ میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ اسٹیبلشمنٹ درمیان سے ہٹ جائے پھر دیکھتے ہیں کہ کس کو ووٹ ملتے ہیں اور کس کو نہیں ملتے؟۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں انتہا پسندی کو روکنے کے لئے صاف شفاف الیکشن وقت کی ضرورت ہے اور یہ عمل ووٹر لسٹ سے لے کر بیلٹ بکس تک ہر معاملے میں ہونا چاہئے، ورنہ ہمیشہ یہ سوال اٹھے گا: وہ کون سے ادارے ہیں جن کیوجہ سے ملک تباہ ہوا ہے؟۔ وہ اپنی اس ناکامی کو تسلیم کریں، انہوں نے مقتدر اداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں کو باغی بناؤ اور ہمیں کہو کہ ان کا راستہ روکو، یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟۔ اسٹیبلشمنٹ اب یہودی لابی کو پروان چڑھا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے دنیا کو اسلام کا حقیقی پیغام پہنچانا ہے اور جمعیت علماء اسلام پوری دنیا کی اسلامی تحاریک کی حمایت کرتی ہے''۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا فضل الرحمن زید مجدہم نے اپنے خطاب میں جو کچھ فرمایا، وہ پوری پاکستانی قوم کے دل کی آواز ہے اور قوم کے ذہنوں میں وسوسہ ڈالنے والے بہت سے سوالات کا تسلی بخش اور شافی جواب ہے۔

جمعیت علماء اسلام کے کارکنوں کی اب پہلے سے زیادہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس پیغام کو گھر گھر، گلی گلی اور محلّہ محلّہ کے باشندوں تک پہنچائیں، منتشر اور بکھرے افراد کو اجتماعیت میں لائیں، ان کے مسائل سنیں، ان کے حل اور ازالہ کے لئے ان کے دست و بازو بنیں۔ ان شاء اللہ! اس سے جمعیت علماء اسلام کی قوت مضبوط ہوگی اور اسے تقویت ملے گی۔

جمعیت علماء اسلام کی قیادت سے ہماری درخواست ہے کہ اپنوں کو منانے کی کوشش کریں اور ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت فکر دیں، اس سے ان شاء اللہ! علماءِ دیوبند کی قوت مجتمع اور نفاذِ اسلام کی راہ ہموار ہوگی۔

ادارہ بینات ''اسلام زندہ باد'' کانفرنس کے انعقاد اور کامیابی پر جمعیت علماء اسلام کی قیادت، راہنماؤں اور کارکنوں کو دلی مبارکباد اور ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی مساعیٔ جمیلہ کو قبولیت سے نوازیں اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ اور اس کی برکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

# امت مسلمہ کو آج باطنی اصلاح کی ضرورت ہے

جناب سید شوکت علی صاحب

الحمد للہ! دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت مختلف صورتوں سے ہورہی ہے اور امت کی اصلاح کی جد وجہد اور تدبیریں ہورہی ہیں، جس کے نتیجے میں اللہ کے فضل وکرم سے ظاہری صورتیں، مثلاً وضع قطع، لباس، حج، نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات زندہ ہورہے ہیں، لیکن اعمال کی روح اور باطنی اصلاح کے بغیر اللہ کا تعلق نصیب نہیں ہوتا اور اسلام کی حقیقت اور قدریں نمایاں نہیں ہوتیں۔ اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ پورے دین میں داخل ہوجاؤ۔ مسلمانوں کی اعانت اور امداد دین کی پختگی میں وابستہ ہے۔ آج حال کا امر ہے کہ مسلمان اپنی روحانی قدریں پہچانیں، تاکہ ہمیں روحانی طاقت وقوت نصیب ہوجائے اور ہم دنیا کے فریب میں ایمان کو نہ چھوڑیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”اللہ رب العزت تمہاری صورتوں اور کھالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے“۔ تو قلب رب العالمین اور احکم الحاکمین کے نظر فرمانے کا مقام ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو اپنے چہرہ کا اہتمام کرتا ہے جو مخلوق کے دیکھنے کی چیز ہے، اس کو دھوتا اور گندگیوں اور میل سے صاف کرتا اور حتی الوسع اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ مخلوق کسی عیب پر نہ مطلع ہو اور اپنے اس قلب کا اہتمام نہیں کرتا جو رب العالمین کے نظر فرمانے کا مقام ہے، کسی عیب اور برائی، گندگی اور آفت کو اس میں نہ دیکھے، بلکہ اس کو تو فضیحتوں، گندگیوں اور برائیوں میں ڈالے رکھتا ہے، اگر مخلوقات میں سے کوئی اس کو دیکھ لے تو اس سے علیحدگی اور جدائی اختیار کرلے اور اس کو چھوڑ دے۔

قلب ایسا بادشاہ اور رئیس ہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری کے قابل ہے اور تمام اعضاء انسانی اس کے تابع اور ماتحت ہیں، لہذا جب متبوع میں صلاحیت پیدا ہوگی تو تابع میں یقینی طور پر ظاہر ہوگی اور جب بادشاہ راہ راست اختیار کرے گا تو اس کی رعایا خود راہ راست پر آجائے گی اور اس چیز کو نبی اکرم ﷺ کا ارشاد بخوبی بیان کردیتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إن في الجسد لمضغة اذاصلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد

**الجسد کله ألا وهی القلب''.** (ابن ماجه، ج:۵، ص:۲۶۷)

ترجمہ:۔''بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتو سارا بدن درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہوتو سارا بدن خراب ہوجاتا ہے، ہوشیار رہو کہ وہ قلب ہے''۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ طالب حق کو چاہئے کہ پہلے فرقہ ناجیہ (اہل سنت والجماعت) کے عقائد کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کرلے اور اس کے بعد مسائل ضروریہ کو سیکھے اور کتاب وسنت اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اتباع کرے، اس کے بعد نفس کو رذیل اخلاق وعادات سے پاک اور صاف کرے، چنانچہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے۔

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن ازدروں سینہ
حرص واَمل وغضب دروغ وغیبت
بخل وحسد وریا وکبرو کینہ
خواہی کہ شدی منزل قرب مقیم
نہ چیز بنفس خویش فرما تعلیم
صبر وشکر وقناعت وعلم ویقین
تفویض وتوکل ورضا وتسلیم

یعنی اگر تو چاہتا ہے کہ دل مثل آئینہ ہوجائے تو دس چیزیں دل سے نکال دے: حرص، امل، (امید) غضب، دروغ (جھوٹ)، غیبت، بخل، حسد، ریا، کبر، کینہ اور چاہتا ہے کہ قرب الٰہی حاصل ہو تو نو چیزیں اپنے نفس میں پیدا کر: صبر، شکر، قناعت، علم، یقین، تفویض، توکل، رضا اور تسلیم''۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:''قلب ایک قلعہ ہے اور شیطان دشمن ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ قلعہ میں داخل ہوکر اس پر قبضہ کرلے۔ دشمن سے قلعہ کی حفاظت تب ہی ہوسکتی ہے کہ اس کے دروازوں کی حفاظت کی جائے اور تمام گزرگاہوں کو بچایا جائے، جو شخص حفاظت کرنا نہ جانتا ہو، وہ حفاظت بھی نہیں کرسکتا، چنانچہ وساوس شیطانی سے دل کی حفاظت کرنا واجب ہے، بلکہ یہ کام ہر مکلف پر بھی واجب ہوتا ہے، جب تک شیطانی گزرگاہوں سے واقف نہ ہو تب تک شیطان کو دور نہیں کرسکتا، اس لئے ان گزرگاہوں کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور ان دروازوں سے آگاہ ہونا بھی واجب ہے، یہی بندے کی صفات ہیں اور یہ کئی ایک ہیں مثلاً:

۱-غضب وشہوت، غضب تو عقل پر جناتی اثر کی طرح ہے۔ جب عقل کمزور ہوتو شیطانی لشکر حملہ آور ہوتا ہے اور جب انسان غصہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذریعہ سے اپنا کھیل کھیلتا ہے، جیسا کہ بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔

۲-حسد وحرص، ان دونوں کی وجہ سے انسان ہر چیز کا حریص بن جاتا ہے، یہ چیزیں اسے

لالچی اور اندھا بنا دیتی ہیں، اب شیطان کو موقع ملتا ہے، حرص کے وقت وہ شہوت تک پہنچ جاتا ہے، چاہے کس قدر برا اور بے حیائی کا کام ہو۔

۳- سیر ہو کر کھانا، اگر چہ حلال اور پاک ہو، اس لئے کہ سیر ہو کر کھانے سے شہوات کو قوت حاصل ہوتی ہے اور یہ شیطان کے ہتھیار ہیں۔

۴- مکان، لباس اور سامان خانہ کے ساتھ زینت کرنا، جب انسان کے دل میں اس کا غلبہ دیکھتا ہے تو اس کو بڑھاتا ہے، وہ ہمیشہ مکان بنانے، اس کی چھتیں، دیوار سجانے اور عمارات کو وسیع کرنے میں لگائے رکھتا ہے، اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ تیری عمر بہت لمبی ہوگی، جب وہ ان کاموں میں گھر گیا تو اب دوبارہ اس کے پاس اسے آنے کی ضرورت نہیں رہتی، اب بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اسی حالت میں مرجاتے ہیں کہ وہ شیطان کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، خواہشات کے مطیع ہوتے ہیں، اس سے انجام خراب ہونے کا بھی ڈر ہوتا ہے۔

دنیا دار الامتحان ہے، یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کو ہم اپنی مرضی کی مطابق نہیں گزار سکتے، مگر ہر کام میں دیکھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ اور حضور ﷺ کا کیا طریقہ ہے؟۔

زندگی موت ہے اور موت زندگی کی ابتداء ہے جو اصل اور ابدی ہے، لہذا اس دنیا میں انسان کی ابدی زندگی سنوارنے کے لئے دو طریقے ہیں، اول: دل۔ اور دوم: جسم۔

دل جسم کا بادشاہ ہے، اگر وہ سنور گیا تو پورا جسم یا یوں کہئے پوری زندگی سنور گئی اور اگر وہ خراب یا فاسد ہوگیا تو پوری زندگی خراب ہو جائے گی۔ دل کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، دل احساسات کی کائنات ہے، دل مسکن الٰہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کرامؒ نے ہمیشہ لوگوں کے دلوں پر محنت کی۔ دل میں اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی غیر کو، محبت کی نسبت، خوف کی نسبت، امید اور یقین کی نسبت نہیں دیکھنا چاہتے۔ ایمان دل کی کیفیت کا نام ہے اور جسم سے اس کا اطاعت الٰہی کی صورت میں ظہور ہوتا ہے۔ ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

''جس طرح رات دن کا فرق ہے، اسی طرح نور وظلمت کا فرق ہے۔ نور حقیقی کے ظاہر ہو جانے کے بعد (یعنی اپنے اعمال نظر آ جانے کے بعد) رات اور دن کے فرق کی طرح دین اور دنیا کا فرق معلوم ہوگا۔ دن کی روشنی اعمال میں کامیابی دکھاتی ہے اور دنیا کی چیزوں سے متنفر اور صراط مستقیم کا راستہ دکھاتی ہے۔ سورج کی روشنی بغیر محنت آ جائے گی، لیکن اعمال دکھانے والی روشنی محنت سے آتی ہے اور جب یہ روشنی نصیب ہوگئی تو پھر مطلب حاصل ہوگا۔ اس روشنی کے حصول کے بعد نہ سود کے نزدیک جائے گا، نہ کسی کو دھوکہ دینے کا سوال پیدا ہوگا اور نہ رشوت یا دیگر منکرات کے قریب جائے گا، جو کام کرے گا مرضی مولیٰ کی خاطر کرے گا، اگر کسی کو دوست بنائے گا تو بھی اسی کی مرضی مطلوب ہوگی اور اگر کسی کو دشمن سمجھے گا تو بھی اسی کی رضا کے لئے''۔

# طویل دورانیہ کی رات اور دن میں نماز وروزہ کی ادائیگی کا طریقہ!

مولوی حماد اللہ، ہالانوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ:

میرا نام ڈاکٹر فراست خان ہے اور آج کل مانچسٹر (انگلستان) میں میری رہائش ہے، یہاں کے مخصوص موسمی حالات کی وجہ سے چند دینی امور کی ادائیگی میں اشکال ہے، برائے مہربانی اس معاملہ میں رہنمائی فرمائیں:

پہلا مسئلہ رمضان کے متعلق ہے کہ مئی تا اگست یہاں پر سورج کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک (بلکہ صبح صادق سے مغرب تک) کا دورانیہ تقریباً ۲۰ گھنٹے کا ہوتا ہے، یعنی افطار سے سحر تک چار یا پانچ گھنٹے کا وقت ہے۔اسی میں روزہ افطار کرنا، نماز مغرب، رات کا کھانا، عشاء کی نماز، صلوٰۃ التراویح، سحری اور نمازِ فجر کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔دن کے ۲۴ گھنٹے کے روزے عام مسلمانوں اور خاص طور سے محنت کش افراد کے لئے سخت آزمائش کے ہوتے ہیں، چند روزے دار اس آزمائش پر بمشکل ہی پورے اُترتے ہیں، نیز اتنے طویل وقفے تک بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے جسم میں بلڈ شوگر (خون کی شکّر) کی سطح کم ہوجاتی ہے، یعنی روزے دار تفریطِ شکّر (hyboglaceme) کا شکار ہوجاتے ہیں، یہ کیفیت بے شمار بُرے اثرات کا سبب بنتی ہے اور روزے دار کی خواہش ہوتی ہے کہ جلد از جلد افطار کا وقت ہو اور وہ خون میں شکر کی کمی پورا کرسکے۔اس وقت تمام روزہ داروں کی نظر ''تقویٰ'' پر نہیں ''افطار'' پر ہوتی ہے۔

اس مسئلہ سے نجات پانے کے لئے اکثر عام مسلمان خاص طور سے محنت کش افراد یا تو روزہ ہی نہیں رکھتے ہیں یا پھر وہ سردیوں کے موسم میں جب دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔رمضان کے روزوں کی قضا رکھ لیتے ہیں، لیکن یہ قضا ایک روزے کی ایک کے حساب سے ہوتی

ہے، ایک کے بدلہ ساٹھ کا کفارہ نہیں ہوتا ہے۔

جن ممالک میں کئی کئی مہینے سورج طلوع نہیں ہوتا، یا سورج غروب نہیں ہوتا، تو وہاں بوجہ مجبوری رہائش پذیر مسلمان شریعت کی کس طرح پابندی کریں؟ اور شرعی احکام پر اُن کی روح کے مطابق عمل کرسکیں؟۔

تبلیغ کا کام کرنے والے حضرات کو اس قسم کے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہاں کے مقامی حضرات کی تشفی کے لئے ان سوالات کے فکری اور اطمینان بخش جواب کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں علماء کرام کی رہنمائی اور راہبری کی ضرورت ہے کہ کیا اس معاملہ میں اجتہاد کیا جائے یا مصر کے جامعہ از ہر کے فتویٰ پر عمل کیا جائے؟ اس فتویٰ کے مطابق روزے اور نماز کے لئے سورج کے طلوع یا غروب ہونے کی چاند کی رؤیت کا خیال اور لحاظ رکھے بغیر قریب ترین مسلمان مملکت کے نظام الاوقات پر عمل کیا جائے یا مقامی طور پر جو دفاتر کے نظام الاوقات ہیں، ان سے صیام وصلوٰۃ کے نظام الاوقات کو منسلک کردیا جائے؟ برائے مہربانی اس معاملہ میں رہنمائی کی جائے۔

مستفتی: ڈاکٹر فراست خان مانچسٹر، برطانیہ

## الجواب ومنه الصدق والصواب

واضح رہے کہ صبح صادق سے روزے کا آغاز ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب ہونے پر اس کا اختتام ہوتا ہے، اگر جغرافیائی اور موسمی حالات کے لحاظ سے گھنٹوں کے شمار میں کمی وبیشی ہوتی ہے، مثلاً: دن بارہ گھنٹے کے بجائے بیس گھنٹے کا ہوتا ہے، تب بھی آفتاب غروب ہونے تک روزہ رکھنا لازم ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے گھنٹوں کا حساب کرکے افطار کرنا جائز نہیں ہوگا، اگر کوئی شخص ایسا کرے تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

’’ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ‘‘۔ (البقرۃ:۱۸۷)

ترجمہ:’’پھر رات تک روزہ کو پورا کیا کرو‘‘۔(بیان القرآن:۱/۱۰۶، ط: میر محمد)

مجموعۃ الفتاویٰ میں ہے:

’’روزے کے احکام کے نصوص جمیع مکلفین کے لئے ہر شہر اور ہر زمانہ میں عام ہیں، لہٰذا اختلاف اقالیم اور طولِ نہار کی وجہ سے کوئی خلل نہ پڑے گا، اور یہ خیال کرنا کہ: جہاں دن بہت بڑا ہوتا ہے وہاں روزہ ہلاکت کا باعث ہے، غلط

ہے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کو عام رکھا ہے، اسی طرح جہاں روزہ رکھنا طاقتِ بشریہ سے خارج معلوم ہوتا ہے، وہاں ابن آدم کا مسکن نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً إِلَّاوُسْعَھَا''۔ (البقرۃ:۲۸۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہو''۔ (بیان القرآن:۱/۱۷۴، ط: میر محمد)

باہمت قوی مزاج لوگ اتنے بڑے دن کا عموماً تحمل کر لیتے ہیں، اسی لئے وہاں خود ان کا ہی دن معتبر ہوگا، کسی دوسرے حساب کی ضرورت نہیں۔ بلغار میں زمانۂ صیف میں رات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بعض اوقات غروبِ شفق کے ساتھ ہی صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے، وہاں مسلمان لوگ روزہ رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں پڑے یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں روزہ رکھتے ہیں، کوئی روزہ رکھنے کی وجہ سے مرتا نہیں''۔

(مجموعۃ الفتاویٰ:۱/۲۹۶، ط: سعید)

جواہر الفتاویٰ میں ہے:

''ایسے تمام علاقوں میں جہاں دن اور رات کا مجموعہ ۲۴ گھنٹے ہوتا ہے اور رات اتنی دیر رہتی ہے کہ نمازِ مغرب سے فارغ ہوکر صبح صادق سے پہلے کھانا کھایا جاسکے، وہاں روزۂ رمضان کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ اتنا طویل روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں، جس کا ثواب بھی دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگا، اور جو لوگ بیماری، بڑھاپے یا کمزوری کے باعث اتنا طویل روزہ رکھنے کی قدرت نہیں رکھتے، بیمار پڑجانے، یا بیماری بڑھ جانے کا قوی امکان ہے، وہ لوگ روزوں کی قضاء ایسے موسم میں کرلیا کریں جب کہ دن کا طول اُن کے لئے قابلِ برداشت ہوجائے''۔ (جواہر الفتاویٰ:۱/۱۴۵، ط: اسلامی کتب خانہ)

درمختار میں ہے:

**''(قولہ:العاجزعن الصوم )أی عـجزاًمستمراًکمایأتی،أمالولم یقدرعلیہ لشدۃ الحر کان لہ أن یفطرویقضیہ فی الشتاء''۔** (۲/۴۲۷، ط:سعید)

جن علاقوں میں طویل دورانیہ کا دن، پھراسی طرح طویل دورانیہ کی رات کا سلسلہ رہتا ہے، وہاں جس طرح نماز کے اوقات کا اندازہ سے تعین کیا جاتا ہے، اسی طرح ماہِ رمضان کے

روزوں کے اوقات کا بھی تعین کیا جائے، اس سلسلے میں آسان صورت یہ ہے کہ ایسے مقام کے باشندے جو اُن کے قریب مقامات ہیں، جہاں معمول کے مطابق دن رات کی آمد ورفت کا سلسلہ ہے، اُس کے مطابق عمل کریں۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

''ویجری ذلک فیمالومکثت الشمس عندقوم مدةً.....قال فی امداد الفتاح قلت:و کذلک یقدرلجمیع الأجال کالصوم و الزکوٰة و الحج والعدة واٰجال البیع والسلم والإجارة ، وینظرابتداء الیوم فیقدرکل فصل من الفصول الأربعة بحسب مایکون کل یوم من الزیادة و النقص کذافی کتب الأئمّة الشافعیة و نحن نقول بمثله إذًاأصل التقدیرمقول فی اجماعافی الصلوٰت''۔ (۱/۳۶۵،ط:سعید)

تاتارخانیہ میں ہے:

''وفی القدوری(إذاکان بین البلدتین تفاوت لایختلف المطالع لزم حکم أهل إحدی البلدتین البلدة الأخریٰ،فأماإذاکان تفاوت یختلف المطالع)لم یلزم حکم إحدی البلدتین البلدة الأخریٰ،وذکرشیخ الإمام شمس الأئمة الحلوانی أن الصحیح من مذهب أصحابناأن الخبرإذااستفاض وتحقق فیمابین أهل إحدی البلدتین،یلزمهم حکم أهل هذه البلدة''۔ (۲/۲۶۹،ط:قدیمی)فقط واللہ اعلم

| الجواب صحیح | الجواب صحیح | کتبہ |
|---|---|---|
| محمد عبدالمجید دین پوری | شعیب عالم | سید حماداللہ ھالانوی |
| | | تخصصِ فقہِ اسلامی |

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

# طبی مرکز

آج بے شمار ڈاکٹرز، حکماء اور مختلف ادویہ ساز ادارے مختلف طبی کورسز مشتہر کر رہے ہیں، لیکن استعمال کرنے پر یا تو مرض وقتی طور پر دب جاتا ہے، یا مرض نہ صرف پہلے سے بڑھ جاتا ہے، بلکہ ساتھ علامات بھی واضح ہو جاتی ہیں، چنانچہ میں نے اپنے ۴۰ سالہ طبی کیریئر میں لاکھوں مریضوں پر آزمانے کے بعد ۱۰۰ فیصد کامیاب طبی کورسز تیار کئے ہیں اور ساتھ ہی ان چار چیزوں کی گارنٹی دیتا ہوں: ان میں کوئی نشہ آور دوائی نہیں ہے، ان میں کوئی زہریلی دوائی نہیں ہے، ان میں کوئی کشتہ شدہ دوائی نہیں ہے، ان میں کوئی ایلو پیتھک دوائی نہیں ہے۔ جس لیبارٹری سے چاہیں چیک کروالیں۔

میرا طبی پسِ منظریہ ہے کہ میں فاضل الطب والجراحت رجسٹرڈ درجہ اول ہوں، دوا ایوارڈ ایک گولڈ میڈل لے چکا ہوں، طبیہ کالج کا سابقہ لیکچرار ہوں۔ نظریۂ مفرد اعضاء کے تحت چالیس سالہ تجربہ ہے۔ ادویہ ساز اداروں کا ناظمِ اعلیٰ اور مختلف مطبوں اور مختلف اجتماعات پر بطور حکیم لاکھوں مریضوں کا علاج کر چکا ہوں۔

ہمارے چندروزہ کورسز کی قیمتیں درج ذیل ہیں۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ڈبلاپن ــــ ۱۰۰۰ | ۷۔ہائی بلڈ پریشر۔۲۰۰۰ | ۱۳۔سوزاک۔۲۰۰۰ | ۱۹۔کیرا ــــ ۳۰۰۰ | ۲۵۔یرقان ــــ ۵۰۰۰ |
| ۲۔موٹاپا ــــ ۱۰۰۰ | ۸۔شوگر ــــ ۱۰۰۰ | ۱۴۔برص ــــ ۳۰۰۰ | ۲۰۔بواسیر ــــ ۳۰۰۰ | ۲۶۔جنون ــــ ۵۰۰۰ |
| ۳۔احتباس الطمث۔ ۲۰۰۰ | ۹۔کثرت الطمث ـــ ۱۰۰۰ | ۱۵عسرت الطمث ۱۰۰۰ | ۲۱۔بے اولادی زنانہ ــ ۳۰۰۰ | ۲۷۔بے اولادی مردانہ ۳۰۰۰۔ |
| ۴۔اٹھرا ــــ ۳۰۰۰ | ۱۰۔السر ــــ ۲۰۰۰ | ۱۶۔رسولیاں ــــ ۳۰۰۰ | ۲۲اعصابی کمزوری۔۵۰۰۰ | ۲۸۔کمی سپرم۔۱۰۰۰۰ |
| ۵۔پتھری ــــ ۱۰۰۰ | ۱۱۔دق اطفال۔۱۰۰۰ | ۱۷۔رعشہ ــــ ۳۰۰۰ | ۲۳۔اوجاعی۔۱۰۰۰ | ۲۹۔لیکوریا ــــ ۱۰۰۰ |
| ۶۔دمہ ــــ ۱۰۰۰ | ۱۲۔تبخیر معدہ۔۳۰۰۰ | ۱۸۔اسقاطِ حمل ۲۰۰۰ | ۲۴۔تیزابیت۔۳۰۰۰ | ۳۰۔تپ دق۔۳۰۰۰ |

نوٹ:

(۱) دوائی یا کورس بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رقم پہلے بھیجیں۔
(۲) ملاقات کرنے کے لئے فون پر پہلے وقت لے لیں

الائیڈ بینک اکاؤنٹ نمبر: ۰۴۷۹-۰۱-۲۰۰-۱۷۱۷-۷۔
شناختی کارڈ نمبر: ۳۵۱۰۳-۱۴۶۶۸۷۵-۳

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی
لاہور ملتان روڈ، حبیب آباد ضلع قصور۔
فون: ۰۳۴۵-۷۵۴۵۱۱۹،۰۳۱۳-۷۵۴۵۱۱۹

AFFILIATED WITH
University *of* Cambridge International Examinations, UK

NAKHLAH
Educational House For Islamic Grooming
Estd.1997

Montessori - O/A Level

ADMISSIONS OPEN
SESSION 2012-13

ADMISSION OFFICE
Jinnah Hall N.N Mirza Road Off Tipu Sultan Road,
Karachi, Pakistan
Ph: +92-21-34531805 - 34537938
www.nakhlah.edu.pk

New Campus at
Gulshan-e-Iqbal
Block-7

PHONE: +(92-21)3496-1515